

### شیخ عبداللہ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۱ء تک

۲ جنوری ۱۹۶۸ء کو حکومت نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف وہ حکم واپس لے لیا جس کی رو سے آپ پر اور آپ کے رفقاء پر سات مئی ۱۹۶۵ء سے ریاست میں داخل ہونے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ اور آپ ۳۷ ماہ کی جلا وطنی گزارنے کے بعد چار مارچ ۱۹۶۸ء کو واپس سری نگر لوٹے۔ اس کے بعد ۹ جنوری ۱۹۷۱ء تک جس روز ریاست کی حدود میں آپ کا داخلہ پھر سے ممنوع قرار دیا گیا، آپ نے مختلف جلسوں اور اخبار نویسوں کے ساتھ ملاقاتوں میں لگاتار حق خود ارادیت اور رائے شماری کے حصول اور استعمال کے مطالبات کئے۔

شیخ عبداللہ نے بھارتی جن سنگھ کے ترجمان ”آرگنائزر“ کو ایک خصوصی انٹرویو دیا۔ اخبار نویس کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کشمیر کا ایک الگ مقدمہ کیوں بناتے ہیں، اور اسے مرکز اور ریاستوں کے درمیان تعلقات کے عظیم تر معاملے کا حصہ کیوں نہیں قرار دیتے؟ شیخ عبداللہ نے کہا کہ ”دوسرے لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ ان کا اپنا کام ہے، میں وہی کچھ کر رہا ہوں جو کشمیر کے لئے بہتر سمجھ رہا ہوں اور مجھے ایسا کرنے کا حق ہے“

۱۹ جنوری ۱۹۶۸ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے عظیم اجتماع میں شیخ عبداللہ نے ہندی مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

آپ کے اور ہمارے درمیان الحاق عارضی ہے۔ یہ فیصلہ کشمیری کریں گے کہ وہ ہندوستان میں جائیں گے یا پاکستان میں یا ایک آزاد حیثیت اختیار کریں گے۔“

۳۰ جنوری ۱۹۶۸ء کو آپ مرکزی جمعیت العلماء ہند مسجد عبدالنبیؑ میں دیئے گئے ایک استقبالیہ میں شریک ہوئے آپ نے جمعیت کے سپانے کے جواب میں اور باتوں کے علاوہ دستاویز الحاق کا بھی ذکر کیا اور کہا:

دستاویز الحاق پر ایک کمیٹی نے غور کیا، جس میں مونٹ بیٹن، شری نہرو، سردار پٹیل اور میں شریک تھے سوال یہ تھا کہ اس کو منظور کیا جائے یا نہیں اول تو یہ کہ یہ دستخط مجبوراً کئے گئے تھے، اور پھر سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ یا پاکستان کی مخالفت میں دستخط کئے گئے تھے۔ ہندوستان سے ملنے کا تصفیہ انہوں نے نہیں کیا تھا۔ بس طے پایا تھا کہ جب امن ہو جائے۔ حالات عام دنوں جیسے ہو جائیں۔ تب عوام

سے الحاق کی تائید کرائی جائے اور اس کے بعد ہی اس کو قطعی سمجھا جائے۔ یہ شرط تھی ہند سے ہمارے الحاق کی شری نہرو نے اپنی تقریروں میں پارلیمنٹ میں اپنے بیانات میں اس بات کو تسلیم کر لیا۔

۴ مارچ ۱۹۶۸ء کو سری نگر پہنچنے پر شیخ عبداللہ نے مجاہد منزل سری نگر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے حق خود ارادیت پر اپنے عزم و ایمان کا اعادہ کرتے ہوئے کہا:

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے نصب العین کے حصول کے لئے میں اور میرے ساتھی اپنی جانیں تک نذر کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کریں گے۔ اگر ہم نے اپنے موقف پر کسی قسم کی سودا بازی چاہی ہوتی، تو ہمیں چودہ سال کی طویل مدت تک جیل میں رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔“

”انہیں محسوس کرنا چاہئے کہ جو کوئی قدم بھی وہ اٹھائیں گے، لیکن وہ کشمیری عوام کے اس حق سے کھیلنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ بلکہ انہیں یہ حق دینا ہی پڑے گا ہمیں اس کا کوئی غم نہیں کہ اس جدوجہد میں ہمیں بیس برس لگتے ہیں یا سو سال۔ اگر اس جدوجہد میں خود شیخ عبداللہ کی جان بھی جاتی ہے تو اس کی خاکستر سے لاکھوں شیخ عبداللہ پیدا ہوں گے۔ جو اس حق کے حصول کے لئے جدوجہد کریں گے۔“

۱۰ مارچ ۱۹۶۸ء کو عید الاضحیٰ کی مقدس تقریب پر شیخ عبداللہ نے یوں خبردار کیا :

”کسی تنظیم کو یا چند افراد کو کرسی اقتدار پر بٹھانے سے کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ حصہ نہیں بن سکتا۔“

۱۵ مارچ ۱۹۶۸ء کو حضرت بل سری نگر کے پلیٹ فارم سے شیخ عبداللہ نے بلند آواز سے کہا:

”ہم صرف اتنی سی بات کہہ رہے ہیں کہ کشمیر ہمارا ملک ہے اور ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں کہ آیا ہم پاکستان کے ساتھ الحاق کریں یا ہند کے ساتھ۔ یا ہم آزاد رہیں۔ دنیا کا کوئی بھی ملک ہند یا پاکستان ہمیں اپنی پسند کے مطابق اپنا مستقبل طے کرنے سے روک نہیں سکتا۔“

۱۶ مارچ ۱۹۶۸ء کو سری نگر اسلام آباد سڑک پر واقع قصبہ بچ بھاڑہ میں شیخ

عبداللہ نے کہا:

..... اس لئے ہم بھارت اور پاکستان دونوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ ہمارے اس حق پر اتفاق کریں جس کی رو سے ہمیں اپنا مستقبل آپ طے کرنے کا اختیار ہے۔ ہندوستان کو اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں کشمیر پاکستان میں شامل نہ ہو جائے۔ لیکن کشمیر کسی کی جائیداد نہیں ہے یہ کشمیری عوام کی ملکیت ہے۔ جو ۱۹۴۷ء سے ظلم و ستم کے خلاف ایک پییم جدوجہد میں مصروف ہیں۔“

۲۰ مارچ ۱۹۶۸ء کو ٹیلورز ہوٹل سری نگر میں سری نگر بار ایسوسی ایشن کی طرف سے دیئے گئے ایک ایٹ ہوم (AT HOME) پر سوالات کا جواب دیتے ہوئے مسئلہ کشمیر میں پاکستان کی قریحانہ حیثیت پر یوں جرح کی:

”انڈیا کا دعویٰ یہ ہے کہ پاکستان کشمیر کے سوال میں کوئی فریق نہیں ہے۔ اگر پاکستان مسئلہ کشمیر میں کوئی فریق نہیں ہے، پھر حاجی پیر کیوں پاکستان کو واپس کر دیا گیا۔ جب کہ بھارت کا دعویٰ تھا کہ حاجی پیر مملکت ہند کا ایک حصہ ہے۔“

شیخ عبداللہ کے دست راست مرزا محمد افضل بیگ نے ۱۵ فروری ۱۹۶۸ء کو ”تقریر شیر کشمیر“ کے عنوان سے ایک کتابچہ جاری کرتے ہوئے اپنے پیش لفظ میں لکھا:

..... یہ کہنا کہ مسئلہ کشمیر میں پاکستان کوئی فریق نہیں ہے، بے سود بات ہے، اور تاریخ اور واقعات سے آنکھیں موندھنے کے مترادف ہے۔ پاکستان اس مسئلہ میں سراسر فریق ہے اور موثر فریق رہا ہے۔ جنگ بندی کا معاہدہ کس سے کیا گیا تھا۔ سیکورٹی کونسل کی قراردادوں، فیصلوں اور تاشقند معاہدے میں کون فریق تھا اور کس نے دستخط کئے تھے۔ ان ٹھوس حقائق کی موجودگی میں یہ بات کیسے قبول ہوگی۔ کہ پاکستان کو مسئلہ کشمیر میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ہم تاریخ کو کیسے مٹا سکتے ہیں۔ شیخ عبداللہ نے کہا کہ ایک انگریزی کہاوت ہے کہ اگر کبھی ہم احقوں کی طرح سوچیں بھی لیکن احمقانہ فعل نہیں کرنا چاہئے اس دعوے کا حوالہ دیتے ہوئے کہ کشمیر ایک طے شدہ معاملہ ہے، اور اس پر کوئی بات چیت نہیں ہو سکتی، شری ونو بھاوا جی نے ۶۵ء میں کہا تھا کہ کشمیر فیصلہ شدہ مسئلہ اس وقت قرار دیا جاسکتا ہے، جب ہند، پاکستان، کشمیری عوام اور دنیا بھر یہ تسلیم کرے کہ یہ مسئلہ طے ہو گیا، مجلس اقوام کے سیکرٹری جنرل اوتھانٹ نے بھی یاد دلایا ہے کہ مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں بدستور موجود ہے۔ تب ہمیں خود فریبی میں مبتلا ہو کر سیرخ کی چال نہیں چلنا چاہئے۔ پاکستان کشمیر کے

دروازے پر ہے، اور بیس برس سے کشمیر کے ساتھ ہندوستان نے اپنے عمل سے وابستہ رکھا ہے۔ کیا گزشتہ بیس برس میں پاکستان کو بحیثیت فریق ہندوستان فراموش کرنے میں خود کامیاب ہوا؟ حقیقتیں بے رحم سی، مگر ناقابل فراموش نہیں۔

### سٹیٹ پیپلز کنونشن اور محاذ رائے شماری

۱۲ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو مجاہد منزل سری نگر میں جموں و کشمیر سٹیٹ پیپلز کنونشن کے اجلاس میں شیخ عبداللہ کے داماد، وزیر خوراک و سپلائی، خواجہ غلام محمد شاہ نے محاذ رائے شماری کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے ”مسئلہ کشمیر اور اس کا حل“ کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا، جس میں وہ اپنے موقف کی قطعیت اور صداقت کو یوں پیش کرتے ہیں۔

”مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے مختلف لوگوں کی طرف سے مختلف تجویزیں پیش کی جا چکی ہیں۔ ہند اور پاکستان کشمیری باشندوں کا رائے شماری کا حق مان چکے ہیں اور ان کے حق خود ارادیت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ ساری دنیا کے سامنے انہوں نے اس معاملے میں عہد کیا ہے۔ اس لئے کوئی فریق بھی کشمیریوں کو ان کے حقوق سے محروم نہیں کر سکتا۔ کچھ مخصوص لوگوں کی طرف سے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ مسئلہ حل کرنے کا یہ طریقہ حالیہ واقعات کی بدولت قابل عمل نہیں رہا۔ تب ہمیں چاہئے کہ ہم برصغیر میں امن اور خوش حالی قائم کرنے کے لئے ایسا کوئی اور حل ڈھونڈیں۔ جس سے یہ مسئلہ طے ہو، اور عوام کا حق خود ارادیت بھی قائم رہے، اس مسئلہ کے حل کے لئے مختلف قسم کی قابل عمل اور ناقابل عمل تجویزیں پیش ہوئی ہیں۔ کچھ تجویزوں میں حالات کو جوں کا توں رکھنے کی حمایت کی گئی ہے۔ لیکن اس تجویز پر تو ہم مسلسل بیس سال سے عمل کرتے آئے ہیں اور یہ طریقہ کلکتہ ناکام رہا ہے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ۵۳ء کو ایک بار پھر دہرایا نہ جائے گا۔۔۔؟ کیا ریاستی عوام اس پوزیشن کو تسلیم کریں گے؟ کیا پاکستان جو اس معاملہ میں ہندوستان سے بھی زیادہ فریق ہے اس تجویز کو ماننے پر تیار ہوگا؟ یہ ایک سخت اور تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان کے ساتھ ریاست کے جغرافیائی، تہذیبی مذہبی اور لسانی روابط ہندوستان سے کہیں زیادہ ہیں کہ کشمیر اور ہندوستان کے درمیان کوئی بات چیت پاکستان کو نظر انداز کر کے نہیں کی جا سکتی۔ پاکستان کو نظر انداز کرنا نہ صرف ایک نیا فریب ہے بلکہ اس کی

بدولت دونوں ملکوں کے درمیان اتحاد کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ تاہم معاملات میں بعض اوقات طلسمی تبدیلی ہو جایا کرتی ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں اس جادو نے خود کشمیر پر ایسا اثر ڈالا کہ اس کی وجہ سے کشمیر بخوشی اور خود ہندوستان سے جاملے۔ کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ یہ طلسمی ڈنڈا شیر کشمیر اور اس کے لوگوں کے لئے ظلم و جبر کا ڈنڈا بن جائے گا۔ اس لئے ہندوستان کے آئین کی حدود میں کوئی بھی معاملہ عوام اور ان کی ترقی و خوشحالی کے لئے پر فریب ہو گا اور اگر اسے منظور کر لیا گیا تو یہ عوام کے ساتھ نئی دغا بازی ہوگی۔

یہ تجویز کہ اول ہندوستان اور کشمیر باہمی گفت و شنید کریں، اور جب کوئی طریقہ کار متعین ہو جائے۔ تب پاکستان کو بھی مشوروں میں شریک کر لیا جائے، ایک دوسرا جال ہے جس سے میں آپ سب کو باخبر رکھنا چاہتا ہوں۔ اس تجویز کو فوراً سے پہلے مسترد کر لینا چاہئے۔ گفت و شنید کے آغاز سے ہی پاکستان کو ایک مکمل فریق کی حیثیت سے شامل کیا جانا چاہئے۔ یہاں میں ایک حدیث کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں

### لا یدلغ المؤمن من جحر مورتین

(مؤمن دوبار ایک ہی سوراخ سے دُسا نہیں جاسکتا)

یہ کتنا تو احمقانہ ہے کہ انتخابات رائے شماری کا بدل ہو سکتے ہیں۔ جب تک یہ مسئلہ ہند اور پاکستان کے درمیان موجود ہے کشمیر میں آزادانہ انتخابات ممکن ہی نہیں ہیں، اور نہ حکومت ہند ہی اس کی اجازت دے گی۔ کیونکہ اسے اس بات کا خوف ہے کہ اگر عوام کے صحیح نمائندے منتخب ہو گئے تو انٹ انگ کی رٹ ناپید ہو جائے گی۔

یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ اگر کشمیر ہندوستان کا حصہ رہتا ہے تو ترقی پسند عناصر کو تقویت ملے گی۔ کیا میں ان نام نہاد ترقی پسند عناصر سے پوچھ سکتا ہوں کہ ۵۳ء میں انہوں نے ایک رجعت پسندانہ کھیل کیوں کھیلا تھا؟ بجائے اس کے کہ وہ ہماری مدد کرتے، عوام کی خواہشات اور جذبات کو سمجھتے اور محسوس کرتے، انہوں نے ہمیں دھوکہ دیا، اور ہمیں رجعت پسند بھیڑیوں کے غار میں دھکیل دیا۔ اب یہ دلیل بہت فرسودہ ہو چکی ہے۔ بقول ان دوستوں کے کہ پاکستان ایک فرقہ پرست اور رجعت پسند ملک ہے تو پھر کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہند کی بہ نسبت پاکستان کو ہماری زیادہ

ضرورت ہے۔ ہمیں پاکستان میں ترقی پسند اور سیکولر رجحانات کو مستحکم کرنا چاہئے، تاکہ ایک پائدار اور حقیقی دوستی کا مقصد حاصل کیا جاسکے۔

یہ دلیل بھی دی جا رہی ہے کہ اگر رائے شماری ہوئی اور لوگوں نے پاکستان جانے کا فیصلہ کیا تو جو خراب صورتحال آزاد کشمیر میں ہے۔ وہی ہماری بھی ہوگی اس دلیل کی قلعی اس وقت کھل جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت ہند نے ہمارے پار والے بھائیوں کو اس کنونشن میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی ہے اگر اوپر والی دلیل صحیح ہوتی تو حکومت بہ چشم زدن ان لوگوں کو یہاں آنے کی اجازت دیتی۔ تاکہ وہ لوگ اپنی مشکلات سے ہمیں آگاہ کرتے۔ مگر اصلیت وہ نہیں ہے جو کہی جاتی ہے بلکہ اس کے برعکس ہے۔

سامری صورتحال کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد صرف ایک راستہ باقی رہ جاتا ہے، وہ یہ کہ لوگوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ اور یہ فیصلہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں آزادانہ اور منصفانہ رائے شماری کے ذریعے عمل میں آئے۔ ایسا کیوں کیا جائے اس کی وجوہات یہ ہیں:

ا۔ رائے شماری کا وعدہ حکومت ہند کر چکی ہے۔

ب۔ ہند، پاکستان اور اقوام متحدہ اس کے پابند ہیں

ج۔ یہی وہ جمہوری طریقہ ہے جس کے ذریعے ریاست کے تمام بالغ عوام اپنی مرضی کا اظہار کر سکیں گے، اور اس طرح محسوس ہوگا کہ انہوں نے اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کیا ہے۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ریاست کی اکثریت کا مطالبہ یہی ہے۔ اس مطالبے پر عمل درآمد مشکل نہیں ہے۔ پانچ سال تک ریاست جموں و کشمیر کے دونوں حصوں میں جوں کی توں صورتحال برقرار رکھی جائے، اس دوران شیخ محمد عبداللہ کو ہند پاکستان کے درمیان نقل و حرکت کی پوری آزادی ہو، تاکہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تمام راستے ہموار کئے جائیں۔

## موئے مقدس کی ایچی ٹیشن

اب وزیراعظم بخشی غلام محمد اور ان کے خاندان کے قاہرانہ نظام حکومت کی ایک دہائی گزر چکی تھی۔ اور عوام کا بیاناہ صبر لبریز ہو گیا تھا۔ اگست ۱۹۶۳ء میں وزیراعظم نہرو کے کامراج پلان نے کشمیر میں بخشی غلام محمد کی لمبی خوش قسمتی کے ستارے غروب کر دیئے۔ بخشی غلام محمد کے استعفیٰ سے خوشی کی لہر دوڑی اور کشمیریوں نے چین کا سانس لیا۔ خواجہ شمس الدین ریاست کے نئے وزیراعظم بنائے گئے لیکن ان کے اقتدار کا آثار صرف نوے دن رہ کر غروب ہو گیا۔

موسم سرما حالت کمال پر تھا، اور چلتہ کلان کی ٹھٹھرنے والی سردی نے وادی کشمیر کے سبزہ زاروں اور گلزاروں کی رنگینیاں اور رعنائیاں ختم کر دی تھیں۔ ندی نالوں پر یخ بستگی کی کیفیت طاری تھی۔ بہار کی صبحوں کو دلنواز خیر مقدمی نغمے سنانے والے پرندے بھی نقل مکانی کر چکے تھے۔ تمام تعلیمی ادارے سرمائی تعطیلات کے لئے بند ہو چکے تھے طالب علم امتحانات کی تیاریوں کے لئے اپنے اپنے گھروں میں گوشہ نشین ہو چکے تھے، غریب کشمیری محنت مزدوری کے لئے اپنی اپنی خس پوش جھونپڑیوں کو چھوڑ کر وادی سے باہر جموں اور پنجاب کی سڑکوں پر گھوم رہے تھے۔ دربار منو کے باعث سیکرٹریٹ کے ہزاروں ملازم جموں میں قیام پذیر تھے۔ راتیں لمبیں اور دن چھوٹے تھے۔ اور آفتاب عالم تاب نے برف باری کو اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا موقعہ دینے کے لئے خود گھنے بادلوں کی نقاب اوڑھ لی تھی۔ کہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کو علی الصبح دنیا نے سری نگر کے مرکز سے چند میل دور واقع حضرت بل کی درگاہ سے موئے مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پراسرار اور اچانک گم شدگی کی لرزہ خیز خبر سنی۔ جو کشمیر کے کونے کونے میں جنگل کی آگ بن کر پھیل گئی۔ سری نگر اور دوسرے قصبوں کے علاوہ حکومت کے خلاف ایچی ٹیشن کے تند و تیز شعلوں کی لپیٹ میں کشمیر کے دور و دراز اور الگ تھلگ گوشے بھی آگئے، جہاں کسی مظاہرے کے لئے عوام کو یکجا کرنا کوہ کن کے لئے جوئے شیر لانے کے برابر ہے شہروں اور آسودہ حال علاقوں سے بہت دور جنگلوں اور بیابانوں کی خاموش بستیوں میں بسنے والے لوگ بھی تند و تیز سرد ہواؤں اور لہروں میں اپنی خس پوش جھونپڑیوں کو چھوڑ کر شیروں کی طرح یخ بستہ سڑکوں پر آگئے۔ اور طاغوت اور اس کی وظیفہ خور قوتوں کو

لکارنے لگے۔ حتیٰ کہ وادی کے تمام قصبوں سے دارالحکومت سری نگر کی طرف پیدل مارچ شروع ہو گیا۔ کھانے پینے کی لازمی اشیاء کی قیمتیں یکایک زمین پر آگئیں اور برادری، اخوت اور فیاضی کے وہ مظاہرے دیکھنے میں آئے، جن کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا تھا۔ مسلمانوں کے دونوں بڑے مکتب خیال ---- سنی و شیعہ ہم آواز و ہم رکاب ہو گئے اور دونوں نے ایک ہی صف میں شامل ہو کر سری نگر میں اجتماعی نمازیں ادا کیں۔ پانچ روز کی منظم، شائستہ اور باوقار ایجنی ٹیشن کے بعد ۴ جنوری ۱۹۶۳ء کے پانچ بجے شام موئے مقدس کی بازیابی کا اعلان کر دیا گیا، اور ۳ فروری ۱۹۶۳ء دن کے دو بجے ایک خاص محفل دیدار میں چند مذہبی واعظوں کے ذریعے اس کی شناخت اور تصدیق کرائی گئی۔ اس موقع پر حکومت ہند کی طرف سے لال بہادر شاستری، وشوناتھن اور کابینہ کے سرکردہ افراد موجود تھے۔ ان کے علاوہ بھارتی آئی۔ بی کے ڈائریکٹری، ابن ملک بھی حاضر تھے۔ اس اعلان کے بعد بھی عوام نے ایجنی ٹیشن جاری رکھنے کی کوشش کی، اور حق خودارادیت کے حصول کے لئے تحریک کو زندہ کرنا چاہا، لیکن حکومت نے عوام کے خلاف طاقت استعمال کرنے میں کوئی تاخیر نہ دکھائی۔ بعد میں اس شور انگیز تحریک کا چڑھاؤ، اتار میں تبدیل ہو گیا۔ موئے مقدس کی بازیابی کے اعلان کے باوجود حکومت نے یہ نہ بتایا کہ موئے شریف کو اپنی جائے پاک سے چرانے والا اصلی ملزم کون تھا۔ آج تک یہ سوال برابر ایک معمہ اور راز ہے۔

موئے مقدس کی بازیابی کی تحریک چلانے کے لئے کشمیر کی نو سیاسی و مذہبی جماعتوں نے ایک قومی اتحاد کی شکل اختیار کی تھی۔ جس کا نام ”مجلس عمل برائے حصول موئے مقدس“ تھا۔ حق خودارادیت کے حصول کی خاطر عوام کے جذبہ حریت اور ذوق عمل کو دیکھ کر مجلس عمل نے ریاست کے سیاسی سوال کو ہاتھ میں لیا، اس کو حل کرانے کے لئے اپنی جدوجہد ہمہ گیر طریقے پر شروع کی، اور مارچ ۱۹۶۳ء میں سری نگر کی تاریخی جامع مسجد میں مجلس عمل نے ایک سیاسی قرار داد پاس کی جس میں کشمیری عوام کے لئے حق خودارادیت اور آزاد و غیر جانبدار رائے شماری کے مطالبات کئے گئے اور ہند اور پاکستان سے کہا گیا کہ وہ کشمیری عوام کے ساتھ کیا گیا اپنا وعدہ ایفا کریں اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے تحت ریاست کا مسئلہ الحاق طے کرانے کے لئے عوام کی خواہشات معلوم کرنے کی خاطر ایک غیر جانبدار اور آزاد رائے شماری عمل میں لائیں۔

یوں کشمیری عوام نے حق خودارادیت کی روشنی میں اپنے دل کی حقیقی دھڑکن کا احساس دنیا کو دینے کا تہیہ کر لیا۔ یہ صورت حال حکومت ہند کے لئے تشویشناک اور چیلنج آور بن گئی۔ کیونکہ اس سے کشمیر کا سوال ایک بار پھر عالمی پریس، رائے عامہ اور عالمی لیڈروں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ وزیراعظم نہرو کو یہ احساس ہو گیا کہ سترہ سال تک اہل کشمیر کے جذبہ حریت کو فوج اور پولیس کی بے پناہ طاقت کے دباؤ نے بھی پامال نہیں کیا ہے۔ اور وہ رائے شماری کے بھارتی، پاکستانی اور بین الاقوامی وعدے کو اب بھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔ ہاں البتہ اس خاموش اور ناقابل تغیر جذبہ حریت نے ذرا سا موقعہ پا کر ہندوستان کے مرکزی اقتدار کا کوہ گراں بھی لرزہ برانداز کر دیا۔

تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کھن ہوا  
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولب

### بھارت کی حقیقی تشویش

موئے مقدس کے حصول کی تحریک اس کے اصلی ملزم کو پیش کرنے کی مانگ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجلس عمل کی متحدہ اور اجتماعی لیڈر شپ میں حق خودارادیت کی تحریک کا غلطہ ہائے الاماں اور احیاء وزیراعظم نہرو کے لئے باعث اضطراب بن گیا۔ اسی اضطراب نے کشمیر میں نئے وزیراعظم خواجہ غلام محمد صادق کو مجبور کر دیا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ۵ اپریل ۱۹۶۳ء کو سازش کا مقدمہ واپس لیں۔ اور یہیں سے ہندوستان کے مرکزی اقتدار اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان تعلقات کو دوستانہ جامہ پہنانے کی کوششوں کا رو۔ راز آغاز ہو گیا۔

۵ اپریل ۱۹۶۳ء کو دوپہر کے بعد بھارتی کابینہ کی ایمرجنسی کمیٹی کی ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں وزیراعظم نہرو کی تقریر سے ان کی بے قراری عیاں ہو گئی، اس میٹنگ کی تفصیلات ہندوستانی محکمہ سراغ رسانی کے سربراہ نے بتائی ہیں۔ اور مسٹر آئی، وی گندیو یا آئی، سی، ایس رینارڈ نے اپنی انگریزی کتاب SHEIKH ABDULLAH TESTAMENT OF میں محکمہ سراغ رسانی کے سابق سربراہ کی رپورٹ شائع کی ہے۔ میٹنگ وزیراعظم نہرو کی قیام گاہ پر ہوئی تھی، جس میں مندرجہ ذیل افراد شریک ہوئے تھے۔

وزیراعظم نہرو، مرار جی ڈیسائی، لال بہادر شاستری، گلزاری لعل منندہ، ٹی۔ٹی۔ کرشنم آچاری، اے کے سین۔ آئی، وی گندیو، کئی سیکرٹری اور ہندوستان کے سراغ رساں محکمے کا سربراہ بی۔ این ملک۔

ہندوستان کے سراغ رساں محکمے کے سابق سربراہ نے میٹنگ کی روداد ان الفاظ میں بیان کی ہے:-

”وزیراعظم نہرو نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ اگر پندرہ برس کے ملاپ کے باوجود کشمیر ایک غیر مستحکم صورتحال سے دو چار ہے کہ موئے مقدس جیسے سادہ مسئلے پر عوام کو اس حد تک مشتعل کیا جاسکتا ہے کہ وہ حکومت کے خلاف بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوں، پھر تو ہمیں کشمیر کے بارے میں ایک نیا اپروچ اختیار کرنا ہوگا، اور ہمارے نکتہ نظر میں ایک ترقی پسندانہ تبدیلی لازمی بن جاتی ہے۔ وزیراعظم نے اس بات کو بھی محسوس کر لیا کہ شیخ عبداللہ کو کشمیری عوام پر ایک مضبوط گرفت حاصل ہے اور بدلے ہوئے حالات میں ان کو اعتماد میں لائے بغیر وادی میں کسی قسم کے سیاسی حل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لئے یہ بات پسندیدہ ہے کہ شیخ عبداللہ کو رہا کر دیا جائے۔“

### مجلس عمل میں پھوٹ

۸ اپریل ۱۹۶۳ء کو شیخ محمد عبداللہ جیل سے رہا کر دیئے گئے۔ یہی وہ ایام تھے جب کشمیر کی نو سیاسی و مذہبی جماعتوں کی مجلس عمل کی اجتماعی لیڈرشپ میں حق خود ارادیت کی تحریک میں کارآمد روح دوڑ رہی تھی۔ اور ہمارے گلی کوچے فلمی گیتوں کے بجائے حق خود ارادیت زندہ باد اور رائے شماری فوراً کراؤ کے نعروں سے گونج رہے تھے۔ افسوس کہ اتحاد کی بہار اور چند روز باقی نہ رہ سکی۔ مجلس عمل میں اختلافات سنگین صورت اختیار کر گئے۔ سری نگر میں قدیم شیر بکرا فسانہ عود کر آیا۔ حق خود ارادیت کے بھائی گلیوں اور کوچوں میں ایک دوسرے کے خلاف گالیوں، پتھروں اور لاشیوں کا مذموم اور حیا سوز استعمال کرنے لگے، اور مجلس عمل کے اتحاد کا شیرازہ اس طرح بکھر گیا کہ آج تک پھر کبھی اس قسم کے اتحاد کا احیاء نہ ہوا۔ مجلس عمل کی تحریک کے سرخیل مولانا محمد سعید مسعودی کے خیال میں اس تاریخی اتحاد کے ٹوٹنے کا سبب یہ تھا کہ بعض حضرات نے مجلس میں بڑی اور چھوٹی پارٹی کے سوالات اٹھائے۔

لیکن ۱۹۷۰ء میں اپنی نظر بندی کے دوران جب میں نے اپنے وکیل مرزا محمد افضل بیگ سے یہی سوال کیا کہ ۱۹۶۳ء میں مجلس عمل کے نو پارٹی اتحاد کے ٹوٹ جانے کے اسباب کیا تھے، تو انہوں نے کہا کہ مجلس عمل کے لیڈروں نے موئے مقدس کی چوری کے سوال پر مرکزی حکومت کو تحقیقات کرنے والی اتھارٹی تسلیم کر لیا۔ جس نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ہندوستان کے نمائندے مسٹر چھاگلہ کو پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو یہ جواب دینے کا موقع دیا کہ کشمیر کے حالات ہند کے اپنے اندرونی معاملات ہیں کیونکہ خود کشمیریوں نے موئے مقدس کے سوال پر مرکزی حکومت کے ذریعے ہی تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اور مرکز کے اختیار کو تسلیم کیا ہے

### دہلی، شیخ مذاکرات

کہتے ہیں کہ دو اپریل ۱۹۶۳ء کو رہائی سے چند روز پہلے وزیراعظم نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کو مراسلہ لکھا تھا کہ وہ رہا ہو کر براہ راست نئی دہلی ان کی قیام گاہ پر پہنچ جائیں اور بعد میں سری نگر روانہ ہوں۔ شیخ عبداللہ نے ۹ اپریل ۱۹۶۳ء کو سری نگر پہنچنے پر ایک اخباری کانفرنس میں اس امر کا انکشاف کیا کہ پنڈت نہرو کا دعوت نامہ مجھے ۷ اپریل کو دیا گیا۔ جب میرے ہزاروں دوستوں نے وادی میں میرے استقبال کا پروگرام ترتیب دیا تھا۔ شیخ عبداللہ نے کہا کہ اگر وقت پر مجھے یہ خط سپرد کر دیا گیا ہوتا تو میں یقیناً ”سری نگر کے بجائے پنڈت جی کے لئے نئی دہلی کا رخ کر لیتا۔ بہر حال ۲۹ اپریل ۱۹۶۳ء کو شیخ عبداللہ نئی دہلی پہنچ گئے۔ جہاں وزیراعظم نہرو کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے ان کا قیام وزیراعظم کی رہائش گاہ میں رہا۔ یہاں حکومت ہند اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان کشمیر کے سوال پر مذاکرات کا باقاعدہ آغاز ہو گیا، ان ایام میں پرائم مسٹر ہاؤس میں وزیراعظم نہرو کی طرف سے جو شخصیتیں شیخ عبداللہ کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھیں ان کے نام یہ ہیں:

مسٹر پارٹھا سارثی (اس وقت پاکستان میں ہند کے سفیر) مسٹر بدر الدین طیب جی (اس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اور اس سے قبل وزارت خارجہ میں خصوصی سیکرٹری رہ چکے تھے) مسٹر گندیو۔ کامن ویلتھ سیکرٹری۔ وزیراعظم نہرو کے نمائندوں اور شیخ محمد عبداللہ اور ان کے معاونوں کے

درمیان مذاکرات پوچھتے ہی شروع ہو لڑناشتہ تک جاری رہے۔ مسٹر گندویا روزانہ صبح کے مذاکرات کی روداد اور ان میں پیش رفت کی رپورٹ وزیراعظم جواہر لعل نہرو کو دیا کرتے تھے۔ ان ہی مذاکرات میں شیخ محمد عبداللہ کو پاکستان بھیجنے کا فیصلہ ہو گیا شیخ عبد اللہ پر حکومت ہند کا یہ اعتماد اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اب کشمیر کی آزادی اور حصول حق خود ارادیت کے نظریات پر شیخ عبد اللہ کے افکار و خیالات میں کافی تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ ورنہ حکومت ہند کے اعلیٰ مشیر اور پالیسی ساز سازش کپس کے کل کے ملزم کو آج پاکستان بھیجنے کا خطرہ مول نہ لیتے۔ بھارتی لیڈر شپ کا خیال تھا کہ ہندوستانی قید خانے میں طویل وقت گزارنے کے بعد شیخ عبداللہ پاکستان کی نظر میں ایک مقبول لیڈر بن کر باہر آ رہے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ اسی تاثر میں پاکستان اور ہندوستان کے مابین ان کی مصالحت کی کوشش بھارت کے لئے کارآمد ثابت ہو۔ حکومت ہند اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان مذاکرات کا موجودہ مرحلہ ایک طویل سلسلے کی ابتدائی کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں بھارت، پاکستان پر شیخ عبد اللہ کے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کو تنازعہ کشمیر کے کسی حل پر آمادہ کرانے کی آس لگا چکا تھا۔ خود شیخ عبد اللہ بھی پاکستان کے ساتھ مذاکرات کے خواہش مند تھے۔ جب دہلی اور شیخ عبداللہ کے درمیان طے پایا کہ موخر الذکر پاکستان جا کر صدر پاکستان فیملڈ مارشل محمد ایوب خان سے مذاکرات کا آغاز کر لیں، تو سوال پیدا ہوا کہ وہ گفت و شنید کن کن تجاویز کے ارد گرد کریں۔ حکومت ہند کی خواہش تھی کہ صدر پاکستان کو جموں و کشمیر کی جنگ بندی لائن ایک مستقل بین الاقوامی سرحد میں تبدیل کرانے کی تجویز پر رضا مند کر لیا جائے۔ دہلی میں مرکزی حکومت کے نمائندوں اور شیخ عبد اللہ کے درمیان جو بات چیت چل رہی تھی۔ اس میں حکومت نے آپ کو ان مذاکرات سے بھی آگاہ کر دیا، جو ۱۹۶۲ء میں پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور مسٹر سورن سنگھ وزیر خارجہ ہند کے درمیان چھ ماہ تک جاری رہنے کے بعد ناکام ہو گئے تھے۔

”ہم شیخ محمد عبداللہ کو پاکستان روانہ کرنے سے پہلے اس بات چیت پر بریف کرنا چاہتے تھے، جو ۱۹۶۲ء کی ہند چین لڑائی کے فوراً بعد ہم نے امریکہ اور برطانیہ کے دباؤ کے تحت دسمبر ۱۹۶۳ء سے مئی ۱۹۶۴ء تک چھ گردشوں میں پاکستان کے ساتھ جاری رکھی تھی۔ ۱۹۶۳ء کے ہند پاک مذاکرات میں ہمارا عندیہ یہ تھا کہ موجودہ جنگ

بندی لائن کو کہیں کہیں از سر نو کھینچ کر پاکستان کے حق میں تبدیل کر دیا جائے۔ پھر اسے ایک بین الاقوامی سرحد بنایا جائے۔ یعنی کشمیر کا وہ حصہ جو پاکستان کے پاس ہے۔ بدستور اس کے ہاں چھوڑ دیا جائے۔ اور اس کے علاوہ اسے کچھ مزید حصہ یہاں سے دیا جائے۔“

لیکن مسٹر گندویا کی رائے میں شیخ محمد عبداللہ کو ہند، پاکستان اور کشمیر پر مشتمل ایک کنفیڈریشن کے قیام کی تجویز سے دل چسپی تھی۔ جنوبی ہند کے دورے سے لوٹ کر شیخ عبداللہ نے وزیراعظم کے سامنے ہند پاکستان اور کشمیر کے درمیان کنفیڈریشن قائم کرنے کی تجویز رکھی تھی۔ جو غالباً ”راج گوپال آچاریہ نے پیش کی تھی۔ شیخ عبداللہ یہ تجویز صدر ایوب کو پیش کرنے کے معاملے سے کافی دلچسپی رکھتے تھے، وزیراعظم نہرو اس کے قانونی اور بین الاقوامی نکات و مضمرات کا تجزیہ کرنا چاہتے تھے۔“ چنانچہ مسٹر گندویا نے انہیں اس کی تجزیاتی رپورٹ یوں اختصار کے ساتھ پیش کر دی:

۱۔ تاریخ میں کوئی کنفیڈریشن کامیاب نہیں رہی ہے۔

۲۔ ایوب خان اس تجویز کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

۳۔ چونکہ ایوب خان اس تجویز کو رد کریں گے، ہمیں اسے رد نہیں کرنا چاہئے۔

۴۔ شیخ عبداللہ، جو اس تجویز سے کافی دل چسپی رکھتے ہیں، کو اجازت دی جائے کہ وہ پاکستان جا کر ایوب خان کو رضا مند کرانے کی کوشش کریں۔

ہم شیخ کے مفید اور ضروری مارکیٹ میں صرف ایک اینٹیم (Item) فروخت کرنے سے دلچسپی رکھتے تھے یعنی موجودہ جنگ بندی لائن میں تبدیلی لا کر ایک مستقل بین الاقوامی سرحد قائم کی جائے۔ صرف شیخ عبداللہ کی ذات اس پوزیشن میں تھی جو کہ ہماری تجویز کو لے کر صدر ایوب کو فروخت کر سکتے۔ شیخ عبداللہ نے کہا کہ سب سے پہلے میں کنفیڈریشن کے قیام کی تجویز تسلیم کرانے کی کوششیں کروں گا۔ جنگ بندی لائن میں تبدیلیاں لا کر اسے ایک مستقل بین الاقوامی سرحد میں بدل دینے کی تجویز ہمارا ایک آخری حربہ ہو۔

نئی دہلی میں حکومت ہند کے نمائندوں کے ساتھ مذاکرات کرنے کے بعد مئی ۱۹۶۳ء کے وسط میں شیخ عبد اللہ واپس سری نگر لوٹے۔ انہیں سفر پاکستان کی خاطر مئی

۱۹۶۳ء کے اختتام تک واپس نئی دہلی پہنچ جانا تھا۔ حکومت ہند شیخ عبد اللہ کے خیالات سے مطمئن نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ پنڈت نہرو نے ۱۵ مئی ۱۹۶۵ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بمبئی سیشن میں شیخ عبد اللہ کے ساتھ اپنے مذاکرات کی تفصیلات میں جانے سے دامن بچانے کے باوجود اس بات کا انکشاف کیا کہ ان مذاکرات میں شیخ محمد عبد اللہ نے کشمیر کے تنازعہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ باتیں ہند پاک تعلقات پر کیں۔ حق تو یہ ہے کہ اپریل ۱۹۶۳ء میں رہا ہو کر حکومت ہند کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے کے ساتھ ہی شیخ عبد اللہ نے اپنے مخصوص لب و لہجہ میں کشمیریوں کو اشارہ دیا تھا کہ اب وہ فکر و نظر میں تبدیلی لائیں۔ ان ہی دنوں آپ نے نئی دہلی میں وزیر داخلہ مسٹر گلزاری لعل نندہ کے ساتھ ایک طویل بات چیت کے بعد اخباری نمائندوں کو بتایا تھا کہ :

”میں ذاتی طور پر کشمیر کے الحاق کے سوال کو ایک ادنیٰ مسئلہ تصور کرتا ہوں۔“  
آپ نے ہند اور پاکستان کے درمیان دوستی اور مفاہمت کو ”ایک بنیادی ضرورت قرار دیا۔“

۲۳ اپریل ۱۹۶۳ء کو سری نگر میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ”کشمیریوں کو اپنی مرضی متعین کرتے ہوئے اپنے فیصلہ کے امکانی نتائج کو ذہن میں رکھنا ہو گا جو ہند کی مسلمان اقلیت اور پاکستان کی ہندو اقلیت پر اثر انداز ہوں گے۔“  
نئی دہلی سے سری نگر روانہ ہوتے ہوئے آپ نے کہا کہ ”لوگوں کی مرضی دریافت کرنے کے کئی راستے ہو سکتے ہیں اگر رائے شماری کرانے سے مشکلات پیدا ہونے کے امکانات ہیں تو دوسرے راستے تلاش کئے جاسکتے ہیں۔“

جہوں میں آپ نے کہا کہ ”آزاد اور بے ریا انتخابات لوگوں کی مرضی معلوم کرنے کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے اور بھی کئی غیر جانبدار تجویزیں ہو سکتی ہیں۔“ اس سے پہلے بھی ۳ مئی کو شیخ عبد اللہ اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ مرکزی حکومت اور ان کے درمیان کوئی بنیادی اختلافات نہیں ہیں اور انہیں مسئلہ کی جانب حکومت ہند کی رائے میں کوئی شدت نظر نہ آئی تھی۔“

شیخ محمد عبد اللہ پاکستان میں

شیخ محمد عبد اللہ ۲۳ مئی ۱۹۶۳ء کو پالم (نئی دہلی) ہوائی اڈے سے راولپنڈی کے

چک لالہ ہوائی اڈے پر اترے۔ جہاں ان کے بدلے ہوئے موقف کا انکشاف روزنامہ ”ڈان“ اور دوسرے پاکستانی اخبارات نے اس وقت کیا جب وہ پاکستان کا دورہ کر رہے تھے۔ اور کئی عوامی جلسوں اور اخباری کانفرنسوں سے خطاب بھی کر چکے تھے۔

”شیخ محمد عبد اللہ کے بیانات اور ہندوستان کے نام نہاد سکولرازم کے بارے میں ان کی زبان سے حوالہ جات سن کر پاکستانی عوام کو عام طور پر اور یہاں کے ذہین طبقے کو خاص طور پر کسی قدر مایوسی ہوئی ہے۔“

روزنامہ ”ڈان“ نے شیخ عبد اللہ پر یہ الزام بھی لگایا کہ اب انہوں نے مسئلہ کشمیر کا حل ڈھونڈنے کے موقف کے بجائے ہند پاک دوستی کے موقف پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے ”شیخ محمد عبد اللہ نے پاکستان پہنچ کر اپنی پہلی ہی میٹنگ میں ایوب خان کو کنفیڈریشن کی تجویز پیش کی۔ جو ایوب خان نے رد کر ڈالی۔“

### وزیر اعظم نہرو کی وفات

۲۷ مئی ۱۹۶۳ء کو نئی دہلی میں وزیر اعظم جواہر لال نہرو کی موت واقع ہو گئی۔ اس لئے شیخ عبد اللہ اپنا دورہ پاکستان نامکمل چھوڑ کر واپس دہلی لوٹے۔ پنڈت نہرو کی وفات نے اس مکالمے کو بھی بریک کا شکار کر دیا جو نہرو کے زمانے میں شروع ہو گیا تھا، کیونکہ شیخ عبد اللہ کو جتنے گہرے مراسم جواہر لعل کے ساتھ تھے، اتنے ان کے پیش روں کے ساتھ نہیں تھے۔ مسٹرٹی وی گندیو یا اس کی شہادت دیتے ہیں۔

”لال بہادر جی کی طرف سے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے کئی ہفتے بعد ایک روز میں نے شیخ سے دریافت کیا کہ کیا انہوں نے نئے وزیر اعظم کے ساتھ یا حکومت کے کسی آدمی کے ساتھ کوئی بات چیت کی ہے۔ شیخ نے جواباً کہا ”میں کس کے ساتھ بات چیت کروں، میں اس حکومت میں اندراجی کے سوا اور کسی کو جانتا ہی نہیں“ اندراجی نے اس وقت اطلاعات و نشریات کی وزارت سنبھال لی تھی۔

ایک بات چیت میں، میں نے لال بہادر شاستری پر شیخ کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے کی ضرورت پر زور ڈالا۔ تو شاستری جی تعجب سے بولے ”مجھے اس (شیخ) کو کیا کہنا ہے؟“ میں نے کہا ”عبد اللہ کو نہرو سے بہت کچھ کہنا تھا۔“

اب مذاکرات دوبارہ شروع ہونے تھے لیکن شیخ عبد اللہ نہرو کے جانشینوں سے



مایوس تھا، کیونکہ نئے حکمران پاکستان کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے کے لئے پریشان نہ تھے۔ بہر حال اب شیخ عبداللہ کو ۱۹۶۵ء میں حج بیت اللہ کی خاطر باہر جانے کی اجازت مل گئی۔ ۱۹۶۵ء کے شروع میں شیخ عبداللہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے کئی ایسے ممالک کے دورے پر گئے جنہیں کشمیری عوام کے حق سے ہمدردی ہو سکتی تھی۔ مارچ میں وہ قاہرہ پہنچے جہاں انہوں نے افریقی ایشیائی ممالک سے حمایت کی اپیل کی۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے کشمیر کا سوال الجزائر میں منعقد ہونے والی افریقی ایشیائی کانفرنس کی خدمت میں پیش کرنے کا منصوبہ بنایا تھا جو ان دنوں اجلاس کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ الجزائر کی حریت پسند فاتح قیادت سے ملے۔ جہاں انہیں الجزائر کی تحریک حریت کے لاکھوں شہیدوں کا عظیم الشان مزار دکھایا گیا۔ دارالحکومت الجزائرہ میں انہوں نے پاکستان کی ہمت افزائی سے ایک جوا کھلیا، لیکن وہ ہار گئے۔ ریڈیو پکنگ کے مطابق شیخ عبداللہ نے یہاں وزیر اعظم چین مسٹر چو-این۔ لائی سے ملاقات کی جس نے انہیں دورہ چین کی دعوت دی اور یقین دیا کہ ”چین ہمیشہ اہل کشمیر کے لئے حق خود ارادیت کے حصول کی حمایت کرتا رہا ہے“۔ قدرتی طور پر وزیر اعظم شاستری نے ”ہندوستان کے دشمن کے ساتھ عبداللہ کے رابطوں کا سب سے زیادہ سنجیدہ نوٹس لیا“ لیکن پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے شیخ عبداللہ کی ہمت افزائی کرنے کے لئے بنیادی سفارتی مراسم بالائے طاق رکھے، وہ ان کے پاس فوراً دوڑ پڑے اور اعلان کیا کہ پاکستان دورہ چین کے لئے شیخ عبداللہ کو اپنا پاسپورٹ دینے کے لئے تیار ہے۔“

اپنے غیر ممالک کے سفر میں شیخ عبداللہ نے حق خود ارادیت کے مسئلے پر کئی بیانات دیے۔ حکومت ہند نے شیخ عبداللہ کی سرگرمیوں اور ان کے بیانات کا سنجیدہ نوٹس لیا اور انہیں ۳۰ اپریل ۱۹۶۵ء تک واپس بھارت پہنچ جانے کی ہدایت دی گئی لیکن شیخ عبداللہ ۷ مئی ۱۹۶۵ء کو ہی اپنا دورہ مختصر کر کے پالم کے ہوائی مستقر پر اترے۔ سرزمین ہند پر اترتے ہی حکام نے انہیں ڈی، آئی، آر کے تحت ایک حکم نامہ دکھایا۔ کشمیر میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

ادھر کشمیر میں اس خبر سے حکومت اور عوام کے درمیان نیا لکراؤ شروع ہو گیا۔ وادی میں زبردست مظاہرے اور فسادات ہوئے جن کو کچلنے کے لئے حکومت نے وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع کر دیں اور ڈی، آئی، آر کا بے تحاشا استعمال

شروع ہو گیا۔ شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے خلاف وادی میں ۸ مئی ۱۹۶۵ء سے ۱۸ مئی ۱۹۶۵ء تک جو ہنگامے ہوئے ان میں محاذ رائے شماری کے ایک پریس نوٹ کے مطابق ۳۶ افراد جان بحق اور ۴۷ زخمی ہو گئے اور ۸۱۳ افراد کو گرفتار کر کے ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت نظر بند کر دیا گیا۔

## کشمیر میں ہند مخالف شعلے اور تحریکیں

اصل میں کشمیر میں نئے سیاسی ہنگامے ۱۹۶۳ء کے گزرتے ہوئے دنوں سے ہی شروع ہو گئے تھے۔ جب موئے مقدس کے حصول کی ایجنسی نیشن سے سارا کشمیر جاگ اٹھا تھا اور نئی دہلی کے ایوانوں پر لرزہ سیلاب طاری ہو گیا تھا۔ ۱۹۶۵ء کے شروع میں ہی سیاسی افراتفری کے علاوہ معاشرتی تعلقات میں بھی افتراق و انتشار پیدا ہوا جب شیخ محمد عبداللہ نے لوگوں سے کہا کہ وہ ریاست میں قائم کی گئی کانگریس کے حامیوں کے خلاف ترک موالات کریں۔ اس حکم کا اعلان شیخ عبداللہ نے کئی پبلک جلسوں میں کیا چنانچہ کانگریسیوں کے خلاف یہ معاشرتی اور سماجی مقاطعہ اب ان کی میتوں کے خلاف نماز جنازہ کی ادائیگی کے پانکٹ کی انتہا تک پہنچ گیا۔ کشمیر کانگریس کے خلاف ترک موالات کا آغاز کرانے کے بعد خود شیخ محمد عبداللہ بیرونی ممالک کی سیاحت پر نکل پڑے اور ادھر حکومت نے کشمیر میں اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے لئے محاذ رائے شماری کے علاوہ موئے مقدس ایکشن کمیٹی میں شامل دوسری تنظیموں کے کارکنوں کو نظر بند کر دیا۔ مئی میں شیخ محمد عبداللہ پر پابندیوں کے خلاف احتجاجی اقدامات کے بعد جون میں مجلس عمل برائے موی مقدس نے شہری آزادیوں پر پابندیوں کے خلاف رضا کارانہ گرفتاریوں اور امتناعی احکامات کی منظم خلاف ورزیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ رضا کاروں کے دستے باری باری ایکشن کمیٹی میں شامل تمام جماعتوں نے دیئے۔

## ہند پاک جنگ کے شعلے

لیکن ۱۹۶۵ء کے موسم گرما میں کشمیر کی سرگرمیوں اور واقعات میں چھاپہ باری کی شکل میں ایک نئے عصر کا اضافہ ہو گیا۔ ۵ اگست ۱۹۶۵ء کو حکومت ہند نے اعلان کیا کہ پاکستان میں ہتھیاروں سے لیس ہو کر تخریب کاروں کے دو تربیت یافتہ قافلے کشمیر میں در اندازی کر چکے ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد کی در اندازی شروع ہو چکی ہے اور چند دنوں سے جنگ بندی لائن کے ساتھ ساتھ پاکستان کی مسلح افواج کی گولہ باری بھی جاری ہے لیکن ۹ اگست ۱۹۶۵ء کو صبح سویرے ریڈیو پاکستان اور آزاد کشمیر ریڈیو نے اپنے سننے والوں کو کشمیر کی نئی صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ دونوں نے بتایا کہ کشمیر میں عوام نے غلامی کے خلاف مسلح بغاوت کی ہے اور ایک انقلابی کونسل کا قیام عمل میں آگیا۔ اس طرح کشمیر کی جنگ بندی لائن اندرونی علاقوں

میدانوں اور جنگلوں میں ہند اور پاکستان کے درمیان خوفناک جنگ چھڑ گئی اور کشمیر کے عوام بے شمار مصائب کے شکار ہو گئے۔ کشمیر اس جنگ سے پہلے ہی اتھل پھٹل کا شکار تھا۔ جس کی ایک شہادت ”واشنگٹن پوسٹ“ ۱۳ اگست ۱۹۶۵ء کی ایک رپورٹ سے یوں ملتی ہے۔ مثلاً سلیج ہاری سن نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ”میں نے جولائی ۱۹۶۵ء میں کشمیر کا دورہ کیا مجھے معلوم ہوا کہ کشمیر کے عوام ٹھوس پیمانے پر بھارت کی حکمرانی کے خلاف ہیں اور ہندوستان کے ۱۲ فوجی بریگیڈ ہی حق خود ارادیت کی تحریک کو قابو میں رکھے ہوئے ہیں۔“

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء لاہور کا محاذ کھل گیا اور کشمیر کی جنگ ہند اور پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں کو اپنی لپیٹ میں لے گئی۔ اس نئی صورت حال سے جموں و کشمیر کا محاذ سرد پڑ گیا۔ اقوام متحدہ میں زبردست سرگرمیاں شروع ہو گئیں اور دونوں بڑی طاقتیں امریکہ اور روس قیام امن پر اصرار کرتے رہے۔ آخر روس کی جنگ بندی کی کوششوں اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی دوسری سخت قرار داد میں ہند اور پاکستان سے کہا گیا کہ وہ تین روز کے اندر اندر ۲۲ ستمبر تک جنگ بند کر کے ۵ اگست کی پوزیشن پر واپس جائیں۔ سیکورٹی کونسل کی قرار داد کی منظوری کے بعد ۲۳ ستمبر کو چار ہفتوں کے بعد ہند پاکستان کے درمیان گرجنے والی توپیں خاموش ہو گئیں اور آگ برسانے والے بمبار ٹھنڈے پڑ گئے۔ سوویت روس کی سرکار آگے بڑھی جس نے اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے تاشقند میں ایک ہند پاکستان چوٹی کانفرنس کا بندوبست کرایا اور ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو تاشقند میں ہند اور پاکستان کے سربراہوں، وزیر اعظم لال بہادر شاستری اور صدر محمد ایوب خان نے معاہدہ تاشقند پر اپنے اپنے دستخط ثبت کر دیے جس کی رو سے دونوں ملکوں نے اپنے اختلافات دور کرنے کے لئے طاقت کے عدم استعمال کا فیصلہ کیا۔

ادھر کشمیر اگست سے پہلے ہی شورش کی گرفت میں تھا۔ ۹ اگست ۱۹۶۵ء کے واقعہ سے متاثر ہو کر سری نگر اور وادی کے دوسرے قصبوں میں طلبہ اور دوسرے نوجوانوں نے حق خود ارادیت کے حصول کی ایجنسی نیشن میں گوریلا، طرز عمل داخل کر لیا۔ جس کا ثبوت بم پھینکنے اور پھنسنے کے وہ واقعات تھے جو سری نگر کے مختلف علاقوں مثلاً ریگل چوک (فوجی گاڑی پر) میڈیکل کالج، گاؤ کدل وغیرہ میں پیش آئے۔ کشمیر کی یونیورسٹی اور سری نگر کے کالجوں اور اسکولوں کی تعلیمی سرگرمیاں معطل ہو گئی تھیں

کیونکہ طلبہ اور طالبات سرگرم عمل ہو کر شر کے کپڑوں، بازاروں میں دل گداز مظاہروں کی رہنمائی کرتے ہوئے حق خود ارادیت کے حصول کے لئے سماج کے تمام طبقوں کو عمل اور آزادی کا راستہ دکھا رہے تھے۔

اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام  
یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی  
اگست، ستمبر اور اکتوبر ۱۹۶۵ء میں کشمیر توپوں کی گھن گرج اور آتش فشاں کی واقعات کی وجہ سے عدم تحفظ اور افزائش کا شکار تھا۔ ایک حریت پسند، تعلیم یافتہ کشمیری نوجوان نے اپنے چشم دید واقعات کی کچھ تفصیل مجھے ان الفاظ میں دی۔

”۱۳ اگست - آج ۵ بجے سرینگر میں فوج نے کئی مکانات نذر آتش کئے۔ آگ بجھانے والے عملے کو ایت وار کی صبح تک متاثرہ علاقے میں داخل ہو کر آگ بجھانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہندو مالو میں فوج نے سینکڑوں مکانات خاکستر کر دیے۔ آرم پورہ میں بھی کئی مکانات جلا دیے گئے۔ ۱۰ اکتوبر ایت وار - آج سری نگر کے بیشتر علاقوں پر کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ مثلاً وارڈ ۵ - ۶ - ۷ - ۸ - پھر بھی پولیس پر کئی مقامات پر پتھراؤ ہوتا رہا۔ ۱۱ اکتوبر کو بھی کرفیو آرڈر نافذ رہا۔

۱۲ اکتوبر ویروار - امیر کدل میں خواتین کے مظاہرے کو منتشر کرنے کے لئے فوج اور سی، آر، پی نے عورتوں کو بندوقوں سے زدو کوب کیا۔ جس میں کئی زخمی ہوئیں۔

۱۲ اکتوبر سینچور وار کو سری نگر میں ہڑتال ختم کر کے دکانیں کھول دی گئیں۔ ۱۸ اکتوبر کو فوج درگاہ حضرت بل میں داخل ہو گئی۔ جس کے خلاف حضرت بل میں احتجاج کے طور پر دکان داروں نے ہڑتال کی۔ پولیس نے مظاہرین پر گولیاں برسائیں جس کے دوران دونوں جانب سے لوگ اور پولیس والے زخمی ہو گئے۔ لہذا تمام کالوں اور سکولوں کو غیر معینہ عرصے کے لئے بند کر دیا گیا۔ ہڑتال ۱۹ اکتوبر کو بھی جاری رہی۔

خواجہ غلام محمد صادق، جنہیں موئے مقدس کی ایچی ٹیشن کے بعد مجلس عمل کے لیڈروں کی تائید سے وزارت عظمیٰ پر اس امید سے بیٹھنے کا موقعہ دیا گیا تھا کہ وہ عوام کو تشدد اور ظلم کا نشانہ بنانے سے پرہیز کریں گے، نے بھی اپنے مرکزی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے جیل خانوں، تھانوں اور پوچھ تاچھ کے مرکزوں میں

لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بھر لیا۔ انٹروکیشن کیمپوں میں نظر بندوں کے ساتھ غیر انسانی اور وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا۔ اسی دور میں کشمیر میں جاسوسی نظام اور زیادہ وسیع اور مستحکم کر دیا گیا۔ جو نوجوان موجودہ جاسوسی نظام کے شکار بن کر پوچھ تاچھ کے مرکزوں اور جیل خانوں میں بند کر دیئے گئے ان میں سے چند نوجوانوں کے نام یہ ہیں۔

میاں غلام سرور - احسان الحق - نذیر احمد وانی - غلام قادر باسیتی - محمد اشرف ہٹکو - محمد مقبول دمنو - انور عشائی وغیرہ - میاں غلام سرور - محمد مقبول دمنو اور دوسرے بہت سارے لوگ پانچ یا چھ سال بعد رہا کئے گئے۔ لیکن بشیر احمد کچلا ب لندن میں سکونت کرتے ہیں۔ (ان حضرات کا جوڑم حصول حریت کے انقلابی آداب تھے۔)

### خود مختاری چاہنے والوں سے جھڑپ

ابھی ۱۹۶۵ء کی شورش کے سلسلہ میں سینکڑوں کشمیری جیلوں میں بند پڑے تھے کہ جون یا جولائی ۱۹۶۶ء میں خود مختار کشمیر مانگنے والوں کی ایک خفیہ ٹولی آزاد کشمیر سے وادی کشمیر میں داخل ہو گئی۔ اس ٹولی کی رہنمائی شمالی کشمیر کے ایک گاؤں ترہ گام کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان محمد مقبول بٹ کر رہے تھے۔ آزاد کشمیر میں موصوف کا تعلق محاذ رائے شماری آزاد کشمیر اور نیشنل لبریشن فرنٹ سے تھا۔ کشمیر میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے سوپور کی ہنگامہ خیز ہستی کو اپنی سرگرمیوں کا مستقر بنا لیا اور پروفیسروں، وکیلوں، تاجروں اور طالب علموں کے ساتھ دن رات ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ابھی میل ملاپ اور رابطوں کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ سوپور کے ایک مقام ناوی بل میں پولیس اور سراغ رسانوں کے ساتھ اس جماعت کا تصادم ہو گیا۔ اس مسلح تصادم میں دونوں طرف کی گولیوں سے کچھ لوگ کام آ گئے اور آخر کار مقبول بٹ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر کے پوچھ تاچھ کے لئے سری نگر لائے گئے۔ دوسرے جو حضرات پوچھ تاچھ کی خاطر گرفتار کر لئے گئے۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

پروفیسر سید محمد سعید گیلانی - پروفیسر غلام رسول پچہ - پروفیسر شمیم احمد کنکھ - غلام حسن صونی وغیرہ۔

یہ لوگ نظر بند کئے گئے۔ بعد میں کوئی ٹھوس ثبوت نہ ملنے کے سبب حکومت نے انہیں ایک سال کے اندر اندر رہا کیا۔ البتہ محمد مقبول بٹ اور ان کے

چند ساتھیوں کے خلاف سنٹرل جیل میں ایک خصوصی بند عدالت کے اندر قتل سازش اور تخریب کاری کے الزامات میں فوجداری مقدمات دائر کئے گئے اور عدالت نے محمد مقبول بٹ کو سزائے موت کا حکم سنایا لیکن دسمبر ۱۹۶۸ء کی ایک سرورات میں وہ سنٹرل جیل سے فرار ہو کر واپس آزاد کشمیر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

### محاذ کے گروہ کی گرفتاری

۱۹۶۶ء میں ہی حکومت کشمیر اور حکومت ہند کی سرانگ رساں ایجنسیوں نے محاذ رائے شماری جموں و کشمیر کے چند لیڈروں اور کارکنوں کی ایک خفیہ زیر زمین ٹولی کو گرفتار کر لیا اور ان پر سازش اور تخریب کاری اور پاکستان سے مادی و مالی امداد حاصل کرنے کے الزامات عائد کئے۔ محاذ کے صدر مرزا محمد افضل بیگ نے اپنی پارٹی کے کارکنوں کو بے خطا قرار دے کر وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کو چیلنج کیا کہ اگر حکومت کے پاس ثبوت ہے تو وہ گرفتار شدگان کا معاملہ ایک کھلی عدالت میں پیش کرے۔ محاذ رائے شماری کے گرفتار کئے جانے والوں میں شیخ بھدرواہی، ڈاکٹر مظفر الزماں درابو اور ڈاکٹر مجید جیسے لوگ بھی شامل تھے۔ ۱۹۶۹ء میں یہ لوگ رہا کر دیئے گئے۔

### توپن قرآن حکیم کا سانحہ

۳ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو سری نگر میں قرآن کریم کی توپن کرنے کی دل خراش اور مذموم خبر آگ بن کر پھیل گئی اور مقامی کالجوں کے طلبہ اس مذموم حرکت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لال چوک میں جمع ہو گئے۔ جہاں ڈی آئی جی کشمیر مسٹر ڈی این کول کی نااہلیت نے ماحول میں چنگاریاں پھینکیں اور سی، آر، پی کی اندھا دھند فائرنگ سے ۱۳، ۱۸، اور ۱۹ سال کے چار کم عمر طلبہ جان بحق ہو گئے اور بہت سارے لوگ زخمی بھی ہوئے۔ جان بحق ہونے والوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ بشیر احمد میر۔ ۲۔ عبدالاحد بٹ۔ ۳۔ محمد انور لہروال اور نثار احمد۔

اس سانحہ کے بعد سارے شہر میں کرفیو نافذ کیا گیا اور بہت سارے لوگ گرفتار کئے گئے۔ اس غمناک صورت حال میں حکومت نے کشمیر اور پنجاب یونیورسٹیوں کے درمیان سری نگر اسٹیڈیم میں ۷ اکتوبر کو ایک فٹ بال میچ کا اہتمام کیا۔ کھیل کے دوران اسٹیڈیم کے اندر بعض ناخوشگور فرقہ وارانہ واقعات رونما ہوئے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر باہر بی۔ اے۔ سی کا ایک سپاہی بددوق اٹھا کر دوڑا دوڑا جہل روڈ پر آگیا جہاں اس نے راہ گیروں پر بے تحاشا فائرنگ کی۔ جس کے نتیجے میں خواجہ غلام احمد کچھ اسسٹنٹ انجینیئر گاندربل آف دلہ اور عبدالعزیز تیلی چاؤدرہ جان بہ حق ہو گئے۔ اور دو افراد زخمی ہوئے۔ ۲۷ اکتوبر کے سانحہ پر سارے کشمیر میں صف ماتم بچھ گئی اور تمام قصبوں کی مساجد میں ریاستی حکومت، غیر ریاستی پولیس اور ڈی۔ آئی جی کشمیر مسٹر ڈی، این کول کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ محاذ رائے شماری کا پریس نوٹ۔ اکتوبر ۱۹۶۷ء)

### ہندو دوشیزہ کا قبول اسلام

اگست ۱۹۶۷ء میں سری نگر فرقہ وارانہ کشیدگی کی لپیٹ میں آگیا۔ جب یہاں کی ایک ہندو دوشیزہ پرمیشوری نے اسلام قبول کر کے سری نگر ہی کے ایک مسلمان نوجوان سے شادی کی۔ جس کا اسلامی نام پروین رکھا گیا۔ تبدیلی مذہب کے اس واقعہ پر کشمیر کا ہندو فرقہ سخت برہم ہو گیا اور ریاست کے اندر اور باہر فرقہ پرستوں نے اس کی آڑ میں مسلمانان کشمیر کے خلاف اشتعال انگیز سرگرمیاں شروع کیں اور وادی کے مسلمان حکمرانوں کو بھی اپنی مخالفت و ملامت کا نشانہ بنایا پنڈت ایجی ٹیشن کی رہنمائی کرنے والی ہندو ایکشن کمیٹی کی مضبوطی اور تنظیم کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا بڑا آسان تھا کہ فرقہ پرستوں کے اصلی عزائم کیا تھے اور کہاں سے شیتل ناتھ کی تاریں مل رہی تھیں۔ آخر ہندوستان کے وزیر داخلہ والی بی چوان نے ریاستی حکومت اور ہندو ایکشن کمیٹی کے درمیان صلح کرائی۔ بہر حال اس ایجی ٹیشن نے سیکولر خیال کے کئی مسلمان سیاست کاروں کے سوالات کو حل کر دیا۔

### سانحہ مسجد اقصیٰ اور کشمیر

۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو اسلامی دنیا ایک عظیم سانحہ سے دو چار ہو گئی۔ جب یروشلم میں اسرائیل نے اپنے مذموم اور ناپاک مقاصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کے قبلہ اول مسجد اقصیٰ کو جزوی طور پر نذر آتش کر دیا۔ کشمیر کی بھاری اکثریت کو توحید کے پیغام اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت اور قرآن حکیم کی صداقت الہی و ابدی وحی وجہ سے عرب کے چپے چپے کے ساتھ جو والمانہ عقیدت و محبت ہے۔ اس

نے انہیں مسجد اقصیٰ کے عظیم سانحہ کی خبر سے بے قرار و بے آرام کر دیا۔ ان کے جذبات میں قدرتی طور پر آگ لگ گئی۔ وہ سوچنے لگے۔

کشمیر کے چنار کہ سینا کے ریگ زار  
انسان ہر دیار میں دیوؤں کا ہے شکار  
میں جانتا ہوں آج ہمالہ سے طور تک  
تہذیب حسن کار کی اقدار کے مزار

(نعیم صدیقی)

عالم اسلام کے سانحہ عظیم پر وہ خاموش بیٹھنے والے نہ تھے چنانچہ ۲۲ اگست سے اسرائیل اور اس کے پالنے والوں کے خلاف اور فلسطینی عوام کی منصفانہ جدوجہد کے حق میں کشمیر کے طول و عرض میں زبردست مظاہرے ہوئے۔ سری نگر، بارہ مولہ، سوپور اور اسلام آباد سب سے زیادہ ان مظاہروں کی لپیٹ میں آ گئے۔ اس سے پہلے ۲۱ اگست کو پولیس نے سوپور میں مظاہرین پر فائرنگ کی اور یہاں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ایک حریت پسند نوجوان غلام محمد خان ٹانگ میں گولی لگنے سے زخمی ہو گئے۔ اس کے علاوہ حکومت نے سری نگر بارہ مولہ اور اسلام آباد کے اضلاع میں دفعہ ۵۰ اور ۱۳۳ نافذ کی اور تمام میٹنگوں اور مظاہروں کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ حکومت کے اشتعال انگیز طرز عمل کے خلاف ۲۲ اگست کو وادی بھر میں احتجاجی ہڑتال ہوئی اور جگہ جگہ نماز جمعہ کے اجتماعات پر صیہونی منصوبوں کی مذمت کی گئی۔ سری نگر کی تاریخی جامع مسجد اور حضرت بل کی مسجد میں دو بڑے اجتماع ہوئے جن میں اسرائیلی سازش کی مذمت کرنے کے علاوہ مسجد اقصیٰ کی عقیدت میں مظاہرہ کرنے والے کشمیری عوام کے تئیں بھی حکومت کشمیر کے رویہ کو افسوسناک قرار دیا گیا۔ جب کدل سری نگر میں مظاہرین اور پولیس کے درمیان جھڑپوں کے دوران پولیس نے گولی چلائی اور کہتے ہیں کہ ایک شخص زخموں کی تاب نہ لا کر ہسپتال میں چل بسا اور سوپور میں دوسری بار ۲۳ گھنٹے کا کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ جگہ جگہ طلبہ کی عام گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ اور پولیس کے سپاہیوں نے بیٹوں کے بدلے ان کے باپ حراست میں لینے کے اقدامات کئے۔ ۲۳ اگست کو پھر وادی بھر میں ہڑتال رہی اور سری نگر کے کئی علاقوں میں تشدد آمیز واقعات کے بعد ۲۴ گھنٹے کا کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ۳۰ اگست کو ۲۸ گھنٹوں کے بعد سری نگر کے تمام علاقے کرفیو سے آزاد ہو گئے لیکن گرفتاریوں کا

سلسلہ اب بھی جاری رہا۔ اور سنٹرل ریزرو پولیس کے مظالم اور دہشت گردی کی شکایات منظر عام پر آ گئیں۔

### اسلامیہ کالج پر حملہ اور میری گرفتاری

۱۹۶۸ء میں طلبہ میں بے چینی کی ایک اور لہر آئی ستمبر یا اکتوبر میں پولیس نے انکشاف کیا کہ اس نے رات کے وقت اسلامیہ کالج سری نگر سے این سی سی کی رانقلیں چرانے کی ایک کوشش کو ناکام بنا دیا ہے اور کئی طلبہ کو موقعہ پر ہی حراست میں لے لیا ہے۔ جبکہ اسے دو اور مفرور طلبہ کی تلاش ہے۔ پولیس نے گرفتار کئے گئے طلبہ کے خلاف ڈکیتی۔ اقدام قتل تخریب کاری اور پاکستان کے ساتھ ساز باز کرنے کے سنگین الزامات عائد کئے۔ سری نگر کے کالجوں کے طلبہ نے اسیر طلباء کے خلاف دائر کئے گئے مقدمہ کی سماعت کے روز عدالت میں جمع ہونا شروع کیا۔ چنانچہ حکومت نے ایک خصوصی بند عدالت مقرر کر کے سنٹرل جیل میں مقدمے کی سماعت کرانے کا فیصلہ کر دیا۔ حکومت کی اس کارروائی کے خلاف طلبہ نے ہڑتالیں اور مظاہرے کئے اور ایک کھلی عدالت میں سماعت کرنے کی مانگ کی۔ ۵ نومبر ۱۹۶۸ء کو پولیس نے انکشاف کیا کہ اس نے اسلامیہ کالج پر حملہ میں ملوث دونوں روپوش طالب علم ملزموں کو سری نگر میں گرفتار کر لیا ہے۔

میں نے اسی سال جنوری میں سری نگر کے ہفت روزہ ”اذان“ کی ادارت کے فرائض سنبھالے تھے۔ ۸ نومبر کو نماز جمعہ کے بعد خفیہ پولیس کے افسر میرے دفتر پر آئے اور مجھے گرفتار کر کے پوچھ تاچھ مرکز گپ کار نمبر ۱۹ پہنچا دیا گیا۔ جہاں سے مجھے باغ متاب پوچھ گچھ کیمپ اور آخر جنوری ۱۹۶۹ء میں سنٹرل جیل سری نگر منتقل کر دیا گیا۔ میری گرفتاری کے بعد ۱۹ نومبر ۱۹۶۸ء کو ریاست کے وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے ایک پریس کانفرنس بلائی اور بڑے ہی عجیب و غریب انکشافات کرتے ہوئے کہا کہ ”کشمیر پولیس نے ہفتہ وار ”اذان“ کے ایڈیٹر سمیت تقریباً دو درجن پاکستانی تخریب کاروں کی ایک اور ٹولی کو گرفتار کر کے بے نقاب کر دیا۔“

دو ماہ تک گپ کار اور باغ متاب کے پوچھ تاچھ کے تعذیبی مرکزوں میں مجھے اور میرے دوسرے نظربند ساتھیوں کے ساتھ کشمیر کی خفیہ پولیس کے افسروں اور کارندوں نے نہایت ہی بہیمانہ جسمانی اور ذہنی سلوک کیا اور ابتلاء اور تشدد کے سنگین لمحات میں راتوں کا سونا بھی ہمارے لئے حرام قرار دیا گیا۔ لیکن منشاء الہی کی بدولت

یہاں کے تجربے نے مجھے اپنے نظریے پر اور زیادہ راسخ اور حوصلہ مند بنا دیا۔  
بعد میں حکومت نے بعض طالب علموں نوجوانوں اور ان کے والدین کو  
ہراساں و پریشان کرنے اور ان کا تعلیمی مستقبل برباد کرنے کے لئے اسلامیہ کالج ڈبیتی،  
سازش کیس گھڑا۔ مجھے لگ بھگ دو برس کے بعد اگست ۱۹۷۰ء میں رہا کر دیا گیا۔  
کچھ اور نوجوانوں اور طالب علموں کے خلاف ۱۹۶۹ء میں پولیس نے نو اکدل  
قتل و سازش کیس کے عنوان سے ایک اور مقدمہ گھڑا۔ اس مقدمے کی سماعت بھی  
سنٹرل جیل سری نگر کی بند عدالت میں جاری رہی۔ ان نوجوانوں پر نو اکدل کے پل پر  
فروری ۱۹۶۶ء میں رات کے وقت ایک بی ایس ایف سپاہی کو قتل کرنے کا الزام عائد  
کیا گیا۔ اسلامیہ کالج ڈبیتی اور نو اکدل قتل کیس کے مقدمات گھڑ کر حکومت کشمیر نے  
کئی برس تک ان طالب علموں اور نوجوانوں کو بے دردی سے پامال کرنے کی جدوجہد  
جاری رکھی۔ لیکن تمام قسم کی اذیتیں برداشت کرتے ہوئے یہ طالب علم بہادری کے  
ساتھ اپنے خلاف مقدمے کی پیروی کرتے رہے۔

اسلامیہ کالج ڈبیتی و سازش کیس میں جو طلبہ ملزم بنا دیئے گئے تھے۔ ان کے  
نام یہ ہیں:- محمد اسلم وانی، علی محمد ڈار، غلام محمد بابا، عبدالکریم، ظہور احمد شہداد، معراج  
الدین، حفیظ اللہ، پیر محمد الیاس اور محمد سلیم بیگ۔

نو اکدل قتل و سازش کیس کے ملزم طلبہ و نوجوانوں کے نام یہ تھے:

غلام رسول ڈبیتی، عبدالحمید شاہ، اور سید سرور، عبدالحمید شاہ دس ماہ تک  
انٹروگیشن مرکز میں زیر تفتیش رکھے گئے، اور انہیں مقدمے کا سلطانی گواہ بننے پر مجبور  
کر دیا گیا۔ لیکن عدالت میں حاضر کئے جانے کے روز انہوں نے جرات اور زندگی  
کا حیرت انگیز مظاہرہ کر کے اپنے بیان سے عدالت میں ہلچل مچادی۔ اور استغاثہ کی  
پوری عمارت زمین بوس کر کے چھوڑی۔ آخر کار حکومت نے ۱۹۷۵ء میں دونوں  
مقدمے واپس لئے۔

سو پور کے دفتروں پر پاکستانی جھنڈا

مارچ ۱۹۶۹ء میں کشمیر بے چینی اور افراتفری کی لپیٹ میں تھا ہی کہ سو پور کی  
ہنگامہ خیز ہستی میں ریاستی حکومت نے کئی روز تک کرفیو نافذ رکھا اور ۲۱ مارچ کو کرفیو  
کے نفاذ میں مزید ۲۳ گھنٹے کا اضافہ کر دیا۔ یہ صورتحال اس وقت رونما ہوئی جب ایک

مشتمل جلوس نے کانگریس جن سنگھ، سوتنزا پارٹی اور محاذ رائے شماری کے مقامی دفاتر  
پر بلہ بول دیا اور ان کے تمام جھنڈے اتار دیئے۔۔۔۔ اور ان دفتروں پر پاکستانی  
جھنڈے لہرائے گئے۔ مظاہرین بھارت کے خلاف ہی نہیں بلکہ پہلی بار محاذ رائے  
شماری اور شیخ عبداللہ کے خلاف بھی نعرے بلند کر رہے تھے۔ پولیس اور مظاہرین کے  
درمیان تصادم کے بعد پولیس کی گولیوں سے تین افراد زخمی ہو گئے۔ جو بعد میں چل  
بے۔ اس ہنگامے میں ڈسٹرکٹ کے ایس، پی مسٹر احمد شاہ المعروف شام جی بھی سخت  
زخمی ہو گئے۔ ان واقعات کے باعث وادی بھر میں دفعہ ۱۴۳ نافذ کر دی گئی۔ اور تمام  
تعلیمی ادارے تین روز کے لئے بند کر دیئے گئے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ان  
ہنگاموں سے پہلے محاذ رائے شماری نے آنے والے عام انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ  
کر دیا تھا۔ محاذ کے اندر الیکشن لڑنے کے حامیوں اور مخالفوں کے درمیان محاذ آرائی  
انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ ان تشدد آمیز ہنگاموں کی وجہ سے حکمران جماعت وادی میں  
ہندوستان کے منتخب صدر مشروہی۔ وی گری کی کامیابی کی خوشیاں نہ مناسکی۔ ہنگاموں  
پر قابو پانے کے لئے حکومت نے سینکڑوں لوگوں کو گرفتار کر کے تھانوں اور جیل خانوں  
میں نظر بند کر دیا۔

۱۹۶۷ء کے آزاد کشمیر کے مہاجرین

سری نگر میں ۱۳ اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو کشمیر اسمبلی کے اس مسودہ قانون کے  
خلاف عوام نے زبردست مظاہرے کئے جس کی منظوری کے بعد ان مہاجرین کو جنگ  
بندی لائن کے اس پار زمینوں پر ملکیتی حقوق مل سکتے تھے۔ اور یہاں ان کو بسانے کا  
مستقل بندوبست بھی ہو جاتا جو جنگ کے دوران آزاد کشمیر سے یہاں بھاگ آئے  
تھے۔ سنٹرل ریزرو پولیس نے سری نگر میں اس مسودہ قانون کے خلاف احتجاجی مظاہرہ  
کرنے والوں کے خلاف طاقت کا وحشیانہ استعمال کیا۔ گہاؤں چلائیں اور ایس پی کالج  
کے احاطے میں داخل ہو کر پروفیسروں اور طالب علموں کو زدوکوب کیا۔ پولیس کے  
ڈنڈوں نے ایک سترہ سالہ طالب علم کی جان لے لی۔ اس سے پہلے ۷ اکتوبر کو طلباء نے  
اسمبلی میں مسودہ قانون پیش کئے جانے کے خلاف تشدد آمیز مظاہرے کئے تھے:

## الفتح پر پولیس کا چھاپہ

۱۹۶۸ء میں میری گرفتاری اور بعض طالب علموں اور نوجوانوں کو اسلامیہ کالج ڈیکیتی کیس اور نوآکدل قتل کیس میں ملوث کر لینے کے ساتھ ہی پولیس نے غلام رسول زہگیر، فضل الحق قریشی اور نذیر احمد وانی کو روپوش قرار دے کر ان کی گرفتاریوں کے وارنٹ جاری کر دیئے تھے۔ آخر ۱۸ جنوری ۱۹۷۱ء کو پولیس نے اپنے ایک سنسنی خیز اعلان میں انکشاف کیا کہ اس نے سری نگر سے چند میل دور اسلام آباد سڑک پر بارسو کے مقام پر ایک زیر زمین اور مسلح تنظیم ”الفتح“ کے ہیڈ کوارٹر کا سراغ لگایا ہے۔ پولیس نے دعویٰ کیا کہ اسے پلواہہ ٹریجری اور جموں و کشمیر بینک ڈیکیتیوں کا سراغ بھی ملا ہے، اس سلسلے میں پولیس نے جن تیس نوجوانوں اور طالب علموں کو گرفتار کرنے کا انکشاف کیا ان میں غلام رسول زہگیر، فضل الحق قریشی، نذیر احمد وانی، ڈاکٹر فاروق احمد بٹ، ڈاکٹر اعلیٰ غلام محمد نانیکو، حمید اللہ بٹ وغیرہ شامل تھے۔ گرفتار کئے گئے۔ تیس نوجوانوں پر کشمیر میں پاکستان کے اشارے پر تخریب کاری، مسلح ڈیکیتی اور اعلیٰ سیاسی اور فوجی شخصیتوں کے قتل کی سازش کرنے کے الزامات میں الفتح کیس کے نام سے ایک مقدمہ دائر کیا گیا۔ حکومت جموں و کشمیر کے دھماکہ خیز اعلان سے کشمیری عوام حیرت میں ڈوب گئے۔ اور بیرونی دنیا یہ تاثر لینے پر مجبور ہو گئی کہ کشمیر میں سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ گرفتار کئے گئے تمام نوجوانوں کی باغ متاب اور گپ کار کے خفیہ مرکزوں میں پوچھ گچھ کی گئی۔ اور پھر انہیں سنٹرل جیل جموں بھیج دیا گیا۔ مقدمہ کی سماعت کے لئے ایک خصوصی عدالت قائم کر دی گئی جس نے پہلے جموں میں اور بعد میں سرینگر میں اپنے اجلاس جاری رکھے۔ اس مقدمے میں ملزموں کی طرف سے مرزا محمد افضل بیگ اور مسٹر ہارے لال ہنڈو نے وکالت کی۔ مقدمے کی سماعت کے دوران حکومت نے محسوس کیا کہ وہ الزامات کو ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو گی، اس لئے اگست ۱۹۷۷ء میں وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے ایک کیبنٹ فیصلہ کے تحت الفتح کیس کو واپس لینے کا اعلان کیا۔ اور یہ سب ہی نوجوان واپس اپنے اپنے عہدوں پر بحال ہو گئے۔ الفتح کے نوجوانوں نے نظر بندی کے پورے عرصے میں اذیتوں اور مالی و مادی مصائب کا سامنا کیا۔ اس کے باوجود ان کا ایثار اور استقلال قابل تعریف تھا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ باہمی انتشار و اختلاف کے شکار ہو کر بکھر گئے ہیں۔

## کشمیری نوجوانوں کی ہائی جیکنگ

۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو کشمیر کی جدوجہد میں ہائی جیکنگ کی شکل میں ایک نیا عنصر داخل ہو گیا۔ جب دو کشمیری نوجوانوں ہاشم قریشی اور اشرف قریشی نے سرینگر سے جموں کی اڑان پر جانے والا انڈین ایئر لائنز کا ایک فوکر فرینڈ شپ طیارہ ہائی جیک کر کے لاہور پہنچایا۔ اور ۳ فروری کو مسافروں اور عملے کو رہا کر کے ایک دھماکے سے جہاز کو شعلوں کی نذر کر دیا۔ شہری ہوا بازی کی ہند پاک تاریخ میں یہ پہلا دھماکہ خیز واقعہ تھا۔ حکومت پاکستان نے ہائی جیکروں کو گرفتار کر کے ان پر ایک مقدمہ چلایا لیکن پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے۔ اور ہند نے مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے درمیان پاکستان کی پروازوں کو ممنوع قرار دیا۔ جس سے مشرقی پاکستان کے علیحدگی پسند عناصر کی حوصلہ افزائی ہوئی اور جب دسمبر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے اور یہ سرزمین تیسری ہند پاک جنگ کا اکھاڑہ بن گئی۔ پاکستان اپنے مشرقی بازو کے ساتھ ہوائی راستے سے منقطع رہا۔ انجام کار ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو سقوط دھماکہ عمل میں آیا اور مملکت خدا داد کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔

اس ہائی جیکنگ میں ہائی جیکروں خاص کر ہاشم قریشی کی ذات بڑی ہی متنازع رہی حتیٰ کہ کشمیر کے عوام خاص کر حریت پسند حلقے بھی ہائی جیکنگ کے اس منصوبے کے پس منظر اور یہ منظر پر ابتداء سے ہی تذبذب اور تشکک میں مبتلا رہے۔ ۱۹۸۱ء میں ٹی، ایم سنہا کی تصنیف SAMBA SPYING CASE نے اس تذبذب میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہائی جیکنگ کا یہ منصوبہ ٹھیک مشرقی پاکستان کے بحران کے عروج پر خود ہند کی ہدایات کے تحت عمل میں لایا گیا تھا۔ واللہ اعلم! بعد میں پاکستان کی سپریم کورٹ نے مشرقی ہندوستان کے دوسرے ساتھیوں کو حریت پسند اور فحش وطن قرار دے کر تمام الزامات سے بری کیا۔

## کشمیری یونیورسٹی پر چھاپہ

اکتوبر ۱۹۷۵ء میں جب جھیل ڈل کے کنارے پر ایک حسین و مناظر آشنا کیمپس میں طلبہ میں تقسیم اسناد کے سلسلہ میں مہاراشٹر کے صدر علی یاور جنگ کی صدارت میں کشمیری یونیورسٹی کا کانوکیشن ہونے والا تھا۔ تو پولیس نے انکشاف کیا کہ اس نے یونیورسٹی پر چھاپہ مار کر کچھ اسلحہ برآمد کیا ہے۔ اور کچھ طلبہ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ گرفتار کئے گئے طلبہ کے خلاف آرمز ایکٹ کے تحت ایک مقدمہ رجسٹر کر دیا

گیا، جو اب بھی چل رہا ہے، اس میں ملوث کئے جانے والے افراد کے نام یہ ہیں:

محمد مصدق عادل، محمد اسلم وانی، غازی خان اور غلام نبی کبانی

### جموں و کشمیر بینک کی لنگیٹ شاخ پر چھاپہ

آزاد کشمیر میں محاذ رائے شماری اور این، ایل، ایف سے تعلق رکھنے والے محمد مقبول بٹ ۱۹۶۷ء میں سولی کا فیصلہ سن لینے کے بعد ۱۹۶۸ء ہی میں سنٹرل جیل سری نگر سے فرار ہو کر آزاد کشمیر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ دوبارہ مئی ۱۹۷۶ء میں سرحد پار کر کے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ شمالی کشمیر میں داخل ہو گئے اور یہاں کے گاؤں براٹھ میں ایک زمیندار کے ہاں اپنا کیمپ سجا یا، اور بہت سارے لوگوں کے ساتھ اپنا رابطہ قائم کیا خاص کر ان لوگوں کے ساتھ جن سے وہ ۱۹۶۶ء میں بھی ملے تھے۔ لیکن اب چونکہ ان میں سے بہت سارے افراد بدل چکے تھے۔ یا اونچے اونچے عہدوں پر متمکن ہو گئے تھے۔ اس لئے محمد مقبول بٹ کے ہمت افزا خیالات نے ان کو مائل نہیں کیا، بہر حال انہوں نے ریاست جموں و کشمیر کی ایک خود مختار مملکت کے قیام کی کوششیں کرنے پر زور دیا۔ وادی کشمیر میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے جنوبی کشمیر کا چکر بھی لگایا۔ کشمیر سے واپس پر لنگیٹ کے مقام پر محمد مقبول بٹ نے بہ قول پولیس جموں و کشمیر بینک کی لنگیٹ شاخ پر حملہ کیا اور معمولی سی رقم بینک مینجر سے چھین لی۔ رپورٹ کے مطابق بینک مینجر کی چیخ و پکار سے ارد گرد کے گاؤں والے جمع ہو گئے۔ جنہوں نے بٹ کو ایک ڈاکو تصور کر کے بے دردی کے ساتھ اس کی مار پیٹ کی۔ الزامات کے مطابق محمد مقبول بٹ کے ایک ساتھی نے گولی چلا دی۔ جس سے بینک مینجر غلام محمد ماگرے ہلاک ہو گئے۔ محمد مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں کو بعد میں پولیس کے سپرد کر دیا گیا لیکن ایک ساتھی پہلے ہی فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد پولیس کی ٹولیاں ریاست بھر میں سرگرم ہو گئیں۔ اور سیاسی نکتہ نظر سے وزیراعظم مسز اندرا گاندھی، وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے ہندوستانی لیڈروں کے خیالات کو سخت دھچکا پہنچا۔ کیونکہ اندرا، عبداللہ معاہدے کے بعد یہی دعویٰ کیا جا رہا تھا کہ اب کشمیر کوئی بین الاقوامی سوال نہیں رہا ہے۔ اور بقول اندرا گاندھی اب مسئلہ کشمیر صرف یہ ہے کہ کشمیر کے عوام کانگریس پارٹی میں بھرتی ہوں یا کہ نیشنل کانفرنس میں۔ لنگیٹ کے واقعات کے بعد پولیس نے اپنی پرانی عادت سے مجبور ہو کر

جموں و کشمیر پیپلز لیگ کے رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا کہ انہوں نے ایک اشتہاری ملزم کے ساتھ ملاقات کرنے کے باوجود پولیس کو اطلاع کیوں نہ دی اس طرح لیگ والے ایک مقدمے میں پھنسا دیئے گئے۔ محمد مقبول بٹ اس وقت تٹاڑ جیل میں بند ہیں۔ لنگیٹ مقدمے میں ابھی تک انہیں عدالت میں نہیں لایا گیا۔ البتہ سزائے موت کے ۱۹۶۷ء کے فیصلے کے خلاف صدر ہند نے ان کی اپیل پر فیصلہ نہیں دیا ہے۔

### کشمیریوں کی دوسری ہائی جیکنگ

مئی ۱۹۷۶ء میں لنگیٹ کے واقعات کے کئی ماہ بعد چھ کشمیریوں نے نئی دہلی میں ایک مسافر بردار بوئنگ طیارے پر سوار ہو کر اس کو پاکستان کی طرف ہائی جیک کر لیا۔ اور طیارے کو لاہور کے ہوائی اڈے پر اتار لیا۔ جہاں پاکستانی کمانڈوز نے ہوشیاری اور پھرتی کا زبردست مظاہرہ کرتے ہوئے، چھ کے چھ ہائی جیکروں پر غلبہ حاصل کر لیا، اور طیارے کو ان کے تصرف سے چھڑا کر واپس ہندوستان بھیج دیا۔ ہائی جیکر حراست میں لئے گئے اور پاکستانی سراغ رساؤں نے ان سے پوچھ گچھ کی، لیکن حکومت پاکستان نے ان کے مطالبات اور مقاصد کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ یہ کہا جا رہا ہے کہ ہائی جیکر محمد مقبول بٹ کے حامی تھے۔ اور ہائی جیکنگ کے ذریعے وہ بھارت پر دباؤ ڈال کر محمد مقبول بٹ کو ہندوستانی قید سے چھڑانے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ حکومت پاکستان نے ہائی جیکروں کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور انہیں ہندوستان کے سپرد کرنے کا ہندوستانی مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ ان میں سید عبدالحمید دیوانی، اور سید محمد رفیق شامل تھے۔

اضافہ ۱۹۹۴ء

ان کے ہمراہ جو دوسرے ہائی جیکر تھے ان کے نام یہ ہیں محمد احسن راتھر، عبدالرشید ملک، غلام رسول اور غلام نبی۔ سید عبدالحمید دیوانی ۳ جون ۱۹۹۳ء کو جہلم سے لاہور آتے ہوئے راستے میں حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ آخری دم تک تنہا اپنے موقف پر ڈٹ کر کام کرتے رہے اور کبھی مایوس نہ ہوئے۔ اپنے آخری ایام میں ان کا دل زندہ اور ہمت جوان تھی۔ سفر آخرت سے کئی روز پہلے مرحوم نے آزاد کشمیر کے سرحدی علاقوں کا دورہ کیا تھا اب



وہ اپنے پیچھے اپنی رفیقہ حیات ایک کم عمر بیٹا اور بیٹی چھوڑ گئے ہیں جو جدائی کا صبر آزما زمانہ گزارنے کے بعد ۱۹۹۲ء میں مقبوضہ کشمیر سے پاکستان آنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ سید عبدالحمید دیوانی بانڈی پورہ کے ایک گاؤں کونن کے رہنے والے تھے۔ چھٹی دہائی میں انہوں نے سنٹرل جیل سرینگر میں وطن کی آزادی کی خاطر چھ سال کی سزا کاٹی اور جیل سے رہا ہونے کے چند سال بعد وہ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۶ء کو انڈین ایئر لائنز کا بوئنگ ۷۳۷ سرینگر سے لاہور ہائی جیک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لاہور کے ہوائی اڈے پر گرفتار ہونے کے بعد حکام نے موصوف کو اپنے دوسرے ساتھیوں کے سمیت ۱۳ ماہ شاہی قلعہ میں اور سترہ ماہ چلاس میں قید رکھا۔ بعد میں ڈاکٹر باسط نے ان کی طرف سے لاہور ہائی کورٹ میں ایک رٹ پٹیشن دائر کی اور عدالت عالیہ نے ان کو پاکستان میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے کی بنیاد پر ایک ماہ کی سزائے قید کاٹنے کے لئے کوٹ لکھیت جیل بھیج دیا۔ عدالت عالیہ میں دیوانی صاحب نے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ ”ہمیں بتایا جائے کہ پاکستان کی کشمیر پالیسی کیا ہے؟ اس وقت میں اس عدالت میں کھڑا نہیں ہوں بلکہ پاکستان کی کشمیر پالیسی کھڑی ہے۔ اگر پاکستان ایک بار یہ اعلان کرے کہ اسے کشمیر یوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اس کی آزادی سے کوئی تعلق نہیں ہے تو ہم پاکستان کی طرف دیکھنا اور یہاں آنے کا خطرہ مول لینا چھوڑ دیں گے۔“

## سٹیٹ پیپلز کنونشن سے انتخابات تک

وزیر اعظم ہند کی حیثیت سے ۱۹ جنوری ۱۹۶۶ء کو اقتدار پر جلوہ افروز ہونے کے کچھ عرصہ بعد مسز اندرا گاندھی نے ہندوستان میں شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں پر عائد کردہ پابندیاں نرم کیں، انہیں اپنے ساتھیوں کے سمیت اوٹا کنڈ سے نئی دہلی منتقل کر دیا گیا۔ اور دو جنوری ۱۹۶۸ء کو ان کے لئے ریاست جموں و کشمیر کا دروازہ کھول دیا گیا۔ ہندوستان کے مسند اقتدار پر مسز اندرا گاندھی کی آمد شیخ محمد عبداللہ کے لئے خوشی کا باعث تھی، کیونکہ مسز اندرا گاندھی کے آنجمنی پتا جی شیخ عبداللہ کے ”جگری دوست“ رہ چکے تھے۔ اور جواہر لال کے کنبے کے ساتھ ان کے قدیم اور بے شکافہ تعلقات تھے۔ سری نگر پہنچ جانے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کرنے کے لئے ”سٹیٹ پیپلز کنونشن“ منظم کرنے کی تیاریاں شروع کیں۔ کنونشن میں حصہ لینے کے لئے مختلف حلقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ان کی انفرادی حیثیت میں دعوت نامے دیئے گئے۔ کنونشن کے پہلے اجلاس کا افتتاح کرانے کے لئے عبد اللہ نے ہندوستان کے سرودیہ لیڈر بے پرکاش نارائن کو سرینگر مدعو کیا، اور خود ہوائی اڈے سے مجاہد منزل تک ہندوستانی لیڈر کا زبردست استقبال کرایا۔ اس کنونشن میں دوسو پچاس یا اس سے زائد اصحاب نے شرکت کر کے اپنے اپنے خیالات پیش کئے۔ مسٹر بے پرکاش نارائن نے سٹیٹ پیپلز کنونشن کا افتتاح کرتے ہوئے مجاہد منزل میں خبردار کیا۔

”پاکستان کے ساتھ ۱۹۴۷ء کی جنگ کے بعد اب کشمیر کا حل صرف انڈین یونین کے آئین کے ڈھانچے میں رہ کر دریافت کیا جاسکتا ہے“

یہ صورتحال دیکھ کر اہل کشمیر شیخ عبد اللہ سے پھر مایوس ہو گئے، اور ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء میں اس کا رد عمل ظاہر ہوا۔ مختلف شخصیتوں کے خیالات سننے کے بعد سٹیٹ پیپلز کنونشن کا آٹھ روزہ سیشن اس قرارداد کی منظوری کے ساتھ ملتوی ہو گیا:

”مسئلہ کشمیر کا کوئی بھی حل جو عوام کو قابل قبول ہو، اسے ریاست کے تمام خطوں کے مفادات کو نگاہ میں رکھ لینا چاہئے صرف اسی قسم کا حل مسئلہ کو ختم کر سکتا ہے، اور جموں و کشمیر سمیت سارے برصغیر ہندوستان میں معمول کے حالات بحال کر سکتا ہے۔“

شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں مجاہد منزل میں سٹیٹ پیپلز کنونشن کا دوسرا سیشن ۸ جون ۱۹۷۰ء سے ۱۳ جون ۱۹۷۰ء تک ہوا۔ اس سیشن میں کنونشن کے رہنما اصول زیر بحث آئے، اور کئی اراکین نے رہنما اصولوں میں ”سیکولر ازم“ کی اصطلاح کے استعمال پر سخت اعتراضات کئے۔ جس سے کنونشن کا ماحول کشیدہ ہو گیا۔ قاری سیف الدین نے اپنا اعتراض پیش کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ سیکولر ازم ایک بدنام لفظ ہے۔ اور ایک خاص مملکت کی بسیار گوئی کے رحم و کرم پر ہے۔ کنونشن کو چاہئے کہ وہ کوئی ایسی اصطلاح مسوے میں شامل کرنے سے احتراز کرے، جس کے ذریعے ہندیا پاکستان میں سے کسی ایک ملک کی طرف کنونشن کے جھکاؤ کا تاثر ملے۔ شمیم احمد شمیم اور پنڈت پریم ناتھ بزاز نے سیکولر ازم کی اصطلاح شامل کرنے کے حق میں سخت اصرار کیا لیکن مبارک شاہ ایڈووکیٹ ریٹائرڈ ہائی کورٹ جج غلام احمد میر، قاری سیف الدین اور مولانا عباس انصاری نے ”سیکولر ازم“ کے خلاف اپنا استدلال پیش کرنے کے بعد سیشن سے واک آؤٹ کیا۔

یہ وہ راہ تھی جس کے ذریعے محاذ رائے شماری کے روح رواں نے حق خود ارادیت کی جدوجہد کے لبو آشناء پودے کی گردن میں قانون اور بحث و مباحثے کا پھندا ڈال کر عوام کو رجعت پسندی پر گامزن ہو جانے کا واضح اشارہ دیا۔

عقل عیار ہے سو بھیں بنا لیتی ہے  
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

اپنی گردنوں اور حریت پسند عوام کی گردنوں میں رجعت اور فراریت کا پھندا ڈالتے ہوئے یہ لیڈر ثابت قدم جماعتوں کی جدوجہد اور فتح آشنائی کی زندہ شہادتیں اور صداقتیں بھول گئے۔ تاریخ کا ناقص، ادھورا، سرسری اور یک طرفہ مطالعہ رکھنے والوں کے سامنے نہ الجباز، نہ ویٹ نام، نہ افریقہ اور نہ عرب عوام کی ثابت قدمی اور جدوجہد آشنائی کے انعامات تھے۔ اب انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ قرآن حکیم کی اس بشارت سے بھی کان بند رکھیں گے کہ

”وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا“

ترجمہ۔ اور کہدے (اے محمد) حق آنے والا، باطل اکھڑنے والا ہے۔ یقیناً

باطل اکھڑنے والی چیز ہے۔

اور علامہ اقبالؒ کا یہ مشورہ بھی نہ مانیں گے

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے  
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

یہ لوگ اپنے بیانون اور تحریروں میں اقبالیات کا وظیفہ ضرور پڑھنے کے عادی تھے، لیکن افسوس انہیں خبر نہ تھی کہ اقبال علیہ الرحمۃ ایک ایسی ثابت قدم قوم کی تلاش میں تھے۔ جس کی صفوں میں انقلاب اور ایمان کی روشنی جل رہی ہو۔ اور وہ انہی مردان خدا کو اپنا سلام پیش کرتے ہیں:-

وجود انہی کا طواف بتاں سے ہے آزاد

یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری

حق خود ارادیت کے مسلمہ اور مقبول عام نصب العین سے انحراف کا محتاط صلائے عام دینے کے باوجود اب بھی محاذ رائے شماری کے جلے رائے شماری فوراً کراؤ کے نعروں سے ہی گونجتے تھے۔ اسی سال شیخ عبداللہ اور محاذ رائے شماری نے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کی پرانی راہ تبدیل کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا، اور کئی عوامی جلسوں میں اعلان کیا کہ آج سے محاذ حق خود ارادیت اور رائے شماری کا مطالبہ نموانے کے لئے قانون ساز اسمبلی میں داخل ہونا چاہتا ہے، اور کچھ عرصہ بعد مارچ ۱۹۷۱ء میں جب شیخ عبداللہ پابندی وطن کی وجہ سے نئی دہلی میں محصور تھے، تو انہوں نے ایک بیان میں انکشاف کیا:

”مجھے دہلی میں ۱۹۶۸ء میں رہائی سے پہلے کئی دوستوں اور کشمیریوں کے بھی خواہوں نے مشورہ دیا کہ میں پارلیمنٹ کے عام انتخابات میں حصہ لوں۔ اس پر گہرائی سے غورو خوض کر لینے کے بعد میں نے محاذ رائے شماری کو عام انتخابات میں مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا، اور میں نے خود الیکشن لڑنے کے لئے اپنے کانڈیٹ نامزدگی آپ داخل کرانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔“

پارلیمنٹ انتخابات میں شرکت

جنوری ۱۹۷۱ء میں شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ اور غلام محمد شاہ دہلی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ ۹ جنوری ۱۹۷۱ء کو جب وہ واپس سری نگر لوٹنے والے تھے۔ حکومت جموں و کشمیر کے اتناہی احکامات کے تحت ریاست میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ اس

واقعہ کے تین روز بعد ہندوستان کی غیر قانونی سرگرمیوں کی روک تھام کے ایکٹ کی رو سے محاذ رائے شماری کو کالعدم قرار دیا گیا، اور اس کے تمام دفاتر سربراہی مہر کر دیئے گئے۔ اس سے قبل ۱۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو وزیراعظم مسز انندرا گاندھی نے پارلیمنٹ توڑ کر وسط المدتی انتخابات کرانے کا اعلان سنایا تھا۔

کشمیر میں بھی پارلیمنٹ انتخابات کے لئے تیاریاں شروع ہو گئیں اور جلاوطن رہنما نے سری نگر کی پارلیمانی نشست سے الحاق ہند کے ایک زبردست ترجمان شمیم احمد شمیم کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا کیا۔ ان کے مقابلے میں ریاست کے سابق وزیراعظم بخشی غلام محمد تھے اپنے جلاوطن قائد کی ہدایت کے تحت کشمیر میں کالعدم محاذ رائے شماری کی تمام صفیں شمیم کی خاطر سرگرم عمل ہو گئیں۔ یہاں تک کہ ”سرتاج“ نے بیگم صاحبہ کو بھی سری نگر روانہ کر دیا، یہ ہدایت دے کر کہ وہ کشمیری عوام کو شمیم کے حق میں بھاری پیانے پر منظم کریں۔ بیگم عبداللہ نے سری نگر پہنچ کر شمیم کی انتخابی مہم کے سلسلے میں پہلے انتخابی جلسے کا افتتاح کر لیا۔ اور مولانا مسعودی کو بھی اس مہم کے دوپٹے کے ساتھ باندھ لیا۔ وزیراعلیٰ مسٹر صادق کے چچا زاد بھائی غلام محی الدین قرہ بھی سابق وزیراعظم بخشی غلام محمد سے انتقام لینے کی خواہش رکھتے تھے۔ اس دور کے حالات کے مطابق مسٹر شمیم کے حق میں بیگم عبداللہ کی مہم تو سمجھ میں آ سکتی تھی، کیونکہ بیگم عبداللہ نے ہمیشہ ہی اپنے سرتاج کے احکامات کی بے چوں و چرا تابعداری کی راہ اپنائی ہے۔ لیکن بعض لوگوں کے لئے اس لڑائی میں مولانا مسعودی کا کردار تعجب انگیز تھا۔ مولانا مسعودی نے ایک انتخابی جلسے میں اعلان کیا:-

”اگر شیخ صاحب ہمیں کھجے کو ووٹ دینے کی ہدایت کریں تو ہم ضرور کھجے کو ووٹ دیں گے“

مولانا مسعودی کو اپنی اس غلط روی کا کچھ احساس بھی تھا۔ لیکن وہ ایک تاویل پسند لیڈر کی طرح تاویلات کے جمع و ترتیب سے اپنی تمام غلط کاریوں کا دفاع بھی کرتے آئے ہیں۔ افسوس کہ ۱۹۷۷ء میں مولانا مسعودی نے اپنی کھمبہ نوازیوں کو ایک ایسی چیز کے حق میں قربان کر دیا جس نے ان کی پوری سیاسی زندگی اور سیاست پر شکست و حسرت کا مقطع لکھ دیا۔ مشیم کی سرگرم حمایت کر کے شیخ عبداللہ مرکز کو اپنی عوامی قوت کا احساس دلانا چاہتے تھے۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ پارلیمنٹ

سیٹ کے دونوں امیدوار بخشی غلام محمد اور مسٹر شمیم بھارت کے ساتھ الحاق کے قائم رکھنے پر متفق الرائے تھے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بخشی غلام محمد نے اپنے دس سالہ دور اقتدار میں حق خود ارادیت اور حزب اختلاف کی آوازوں کو سخت روی سے کچلنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ جبکہ ان کا انتخابی حریف حق خود ارادیت کے خلاف اپنے قلم سے خوب خوب کام لے چکا ہے۔ اور اب اس الحاق کے سائے میں پلٹنے والی بد نمایاںوں کو رعنائیوں میں بدلانے کا خواہش مند تھا۔ وہ اس غیر معقول، غیر فطری اور غیر جمہوری تعلق کو تحریر، تقریر اور تبلیغ سے قبولیت کا لباس پہنانے کا علمبردار تھا۔

## نیاباب، نئے اوراق

گھر سے باہر دہلی میں روکی گئی لیڈر شپ اور کالعدم محاذ رائے شماری کے دوسرے لیڈروں کے بیانات اور اقدامات، احکامات اور ہدایات نئی دہلی اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان کسی نئے معاہدے کی تیاریوں کی غمازی کر رہے تھے۔ اور نئی دہلی اور شیخ عبداللہ کے درمیان تعلقات کا دھاگہ خوش گوار اور مضبوط شکل میں جوڑنے کا عمل بھی شروع ہو چکا تھا۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کا یہ شعر آنے والے دور کی پیش گوئی یوں کر رہا تھا

چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے  
عنادل باغ کے غافل نہ بنیں آشیانوں میں  
چنانچہ ۱۱ مئی ۱۹۷۲ء کو مرزا محمد افضل بیگ اور ۵ جون ۱۹۷۲ء کو شیخ محمد عبداللہ کے لئے گھر جانے کی اجازت مل گئی، اور ”نئے باب کے نئے اوراق“ تحریر کرنے کے لئے کشمیر کی فضا کو سازگار بنانے کا عمل شروع کر دیا گیا۔ بیگ، پارٹھا سارثی مذاکرات کے ذریعے ”اندرا عبداللہ پیکٹ“ وجود میں لانے کے لئے قریب قریب تین برس تک طرفین کے رہنما اور صلاح کار دہلی اور سری نگر کے درمیان مزیدار اڑائیں کرتے رہے، اور خوب خوب پر لطف ضیافتوں کا مزہ چکھتے رہے اب کشمیر میں میر قاسم کی ”سیادت“ اور وزارت کا دور دورہ تھا، کیونکہ مسٹر صادق ۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو چند گڑھ میں ہی انتقال کر چکے تھے۔

بیگ پارٹھا سارثی مذاکرات کے آغاز کی قطعیت کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا ہے۔ البتہ نظر بندی کے دور میں ایک روز وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے آل انڈیا میڈیکل انسٹیٹیوٹ میں شیخ عبداللہ کے ساتھ ملاقات کی تھی۔ پھر شیخ خود بھی وزیراعظم سے ملے تھے۔

”مسٹر بھٹو کے ساتھ شملہ مذاکرات سے کچھ وقت پہلے پریس میں ایک مختصر سا نیوز آئیٹم آگیا کہ پارٹھا سارثی، شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ کے ساتھ مسئلہ کشمیر کے امکانی حل پر ایک خاموش گفتگو میں مصروف ہیں“

کہتے ہیں کہ ایک خاص حکمت عملی کی رو سے اس وقت حکومت ہند شیخ محمد

عبداللہ کے ساتھ مسئلہ کشمیر پر کوئی معاہدہ کرنے کے لئے بے قرار تھی تاکہ وہ مجوزہ چوٹی کانفرنس میں پاکستان کو زور دار طریقے پر بتائے کہ گذشتہ ربع صدی سے جس شخصیت کو استعمال کرتے ہوئے وہ الحاق کشمیر کو حل طلب قرار دیتا آ رہا تھا، اب وہی بھارت کے ساتھ ایک معاہدہ طے کر چکی ہے۔ لیکن شملہ میں بھارت اور پاکستان کی سربراہ کانفرنس سے پہلے حکومت ہند اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان کوئی اکارڈ وجود میں نہ آیا۔ دوسری طرف سے شملہ مذاکرات میں پاکستان کا موقف یہ تھا کہ پہلے اے کے جنگ سے پیدا ہونے والے سوالات طے کئے جائیں اور آخر میں تنازعہ کشمیر کے حل پر توجہ دی جائے۔

دلی میں شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کے بیانات کا لب و لہجہ کافی حد تک محتاط تھا۔ لیکن جموں و کشمیر کے محاذی کارکنوں کو نئے خطوط پر سوچنے اور بات کرنے کا سگنل مل چکا تھا۔ اور کشمیر کے ہوشمند عنصر کو وہ آثار نظر آ رہے تھے کہ نئی دہلی میں کشمیری عوام کے مسلمہ حق یعنی حق خودارادیت کو دفن کرانے کے لئے کچھ نئے گل کھلانے کے طریقوں کی تلاش تیز ہو گئی ہے۔

شیخ عبداللہ کے خلاف انتہائی احکامات واپس لینے کے بعد نیشنل ہیرو اللہ نے ہسپتال میں شیخ عبداللہ سے ایک انٹرویو لیا۔ جس میں انہوں نے اہل کشمیر کے لئے حق خودارادیت اور رائے شماری کے مطالبات کی کوئی وکالت نہ کی۔ انہوں نے صرف ۵۵۳ء میں اپنی معزولی اور نظر بندی کی شکایت کی۔ آپ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ کشمیر اور بھارت کا رشتہ اصولوں اور نظریات کی ہم آہنگی کی بنیاد پر جوڑنے والے دستور کے بنانے اور سنوارنے میں، میں خود بھی شریک کار تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر کشمیر میں ”جمہوری عمل“ کو ایک بار شروع کر دیا گیا تو انتہا پسند عناصر اصولوں کی بنیاد پر ہونے والی مفاہمت کا راستہ روک نہیں سکیں گے۔ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی مفاد خصوصی عناصر کر رہے ہیں۔ ہند اور کشمیر کے درمیان الحاق اور شیخ محمد عبداللہ کی ذات۔۔۔ دونوں سے یکساں لگاؤ رکھنے والی مشہور ہندوستانی خاتون مس مردولا سارا بھائی نے انٹرویو کو سائیکو اسٹائل کر کے سارے ہندوستان اور کشمیر میں تقسیم کر دیا۔

مرزا افضل بیگ اپنے قائد سے پہلے وارد سری نگر ہوئے۔ یہاں پہنچتے ہی انہیں رائے شماری کے حامی طلبہ کے مظاہروں کا سامنا ہوا۔ ان مظاہرین کو خاموش کرانے کے لئے مرزا افضل بیگ نے کہا کہ ہم اپنے موقف پر بدستور ڈٹے ہوئے

ہیں۔ جون ۱۹۷۲ء میں شیخ عبداللہ بھی واپس سری نگر لوٹے، لال چوک پہنچنے پر شیخ کی سواری کو حق خود ارادیت نواز طلبہ کے نعرے سنائی دیئے لیکن محاذ رائے شماری کے چوکس کارکنوں نے ان طلبہ پر بلہ بول دیا۔ اور ان کو خاموش کر دیا۔ یہ صورتحال شیخ کی نگاہ میں تھی۔ اس لئے دوسرے روز حضوری باغ میں ایک جلسہ عام میں آپ نے اہام پسندی سے کام لیا اور کہا کہ وزیراعظم مسزاندراگاندھی نے مجھے ایک نیا باب شروع کرنے کی تجویز پیش کی ہے، اور میں بھی ہند کشمیر تعلقات کا ایک نیا باب کھولنے کا آرزو مند ہوں۔ میں کشمیریوں کو عزت و آبرو کا مقام دے کر رہوں گا اور مرکز اور ہمارے درمیان جو بات چیت ہوگی۔ اس کے نتائج عوام کے سامنے رکھوں گا۔ آپ نے یقین دلایا کہ اگر اہل کشمیر نے ہماری بات چیت کے نتائج کو منظور کیا، تو میں خود بھی اس پر صا دو کہوں گا۔ ورنہ مذاکرات کا یہ سلسلہ ختم کر دوں گا۔ آپ نے انکشاف کیا کہ ہندوستان اور ریاست جموں و کشمیر کے رشتے میں گزشتہ انیس سال میں پیدا ہونے والے تعطل اور بحران کو ختم کرنے کے لئے مرکزی حکومت کے نمائندے مسٹر پارتھاسار تھی اور میرے نمائندے مرزا محمد افضل بیگ کے درمیان مذاکرات شروع ہو گئے ہیں آپ نے اس تقریر میں اٹوٹائی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ دہلی میں انہوں نے اس کے حق میں متعدد بیانات دیئے تھے۔ یہ اس لئے کہ کشمیری عوام حق خود ارادیت سے ان کے انحراف کی شروعات پر پہلے ہی اپنے شدید غیض و غضب کا اظہار کر چکے تھے۔ تاہم محاذ کے حلقے اٹوٹائی کے حق میں اپنی تنظیم کو حرکت میں لا چکے تھے۔

### شیخ قاسم تعلقات اور بلدیاتی انتخابات

وزیراعلیٰ سید میر قاسم نے تاڑ لیا کہ دہلی کی ہواؤں کا رخ کس طرف ہے، خود مرکزی ارباب اختیار نے بھی کشمیر کی گدی پر بٹھائے ہوئے اپنے ماتحتوں کو شیخ عبداللہ کے ساتھ مرکز کے تعلقات کے احیاء کی کوششوں کا سگنل بھی دیا۔ چنانچہ وزیراعلیٰ مسٹر قاسم نے بھی سری نگر میں شیخ عبداللہ کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کرنے میں پہل کی۔ اب دونوں کے تعلقات اس قدر قریب آگئے تھے کہ لوگ ان دونوں کی ایک دوسرے کے حق میں قصیدہ خوانی سنتے سنتے عاجز آگئے تھے۔ کچھ وقت بعد سری نگر اور قصبہ جات میں مقامی اداروں کے لئے عام انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔

حکمران کانگریس پارٹی نے ان انتخابات میں اپنے امیدوار کھڑا نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو نارمل بنانے میں مصروف تھی۔ بہر حال محاذ رائے شماری کو بھرپور سرکاری حمایت حاصل رہی، اور اس نے کشمیر کے مذہبی، اعتقادی سوالات کو انتخابی مہم میں شامل کر کے مخالفین کو مکمل شکست دی۔ صرف اسلام آباد کی ایک نشست جماعت اسلامی کے ہاتھ میں آگئی۔ محاذ نے اپنی فتح پر جشن منایا، اور دہلی و سرینگر میں سرکاری و نیم سرکاری اخبارات نے اپنی تحریروں میں شیخ عبداللہ کو ایک بار پھر ریاست کی مسلمہ اور معتبر آواز قرار دیا۔

### الحاق کی تائید میں بیانات

اصل میں ۱۹۷۳ء میں شیخ اور بیگ نے دہلی اور جموں میں ہندوستان کے ساتھ الحاق کی تائید میں بیانات جاری کرنے کا آغاز کیا تھا لیکن اس سے بھی پہلے دہلی میں مسٹر پارٹھاسار تھی کے ساتھ ایک بات چیت کے بعد مرزا افضل بیگ نے یو۔ این۔ آئی کو ایک انٹرویو کے دوران صاف صاف کہا تھا۔

”مسٹر پارٹھاسار تھی کے ساتھ میری جو بات چیت ہوئی وہ اس مرکزی نقطے کے ارد گرد گھومتی رہی کہ ہند کے ساتھ کشمیر کا الحاق اٹوٹ اور حتمی ہے۔“

حق خود ارادیت کی ۱۹ سالہ تحریک سے تائب ہو جانے کے باوصف دونوں کشمیری لیڈروں کا اب بھی یہ خیال تھا کہ ابھی وہ وقت نہیں آ پہنچا ہے کہ واوی کے عوام کے سامنے کھل کر رائے شماری کی مذمت اور ہندوستان کے الحاق کی حمایت کی جائے۔ چنانچہ واوی میں پہنچنے پر وہ فوراً ”ان سب بیانات کی تردید کرتے رہے جو اس سے پہلے انہوں نے جموں یا دہلی میں دیئے تھے۔ جب ان سے سوال کیا جاتا تو وہ جھٹ و قانع نگاروں اور رپورٹروں اور ایڈیٹروں کو غلط رپورٹنگ کے لئے مطعون اور ذمہ دار قرار دیتے اور لوگوں کو ہدایت کی جاتی کہ اخبارات کی رپورٹنگ پر اعتبار نہ کیا جائے۔“

۲۸ جولائی ۱۹۷۳ء کو مسٹر پارٹھاسار تھی نے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ایک ملاقات کی۔ لیکن اس ملاقات کو صحت و عافیت دریافت کرنے والی ملاقات قرار دیا گیا۔ ”ہندوستان ٹائمز“ نے خبر دی کہ ابھی تک بیگ پارٹھاسار تھی مذاکرات میں کوئی فیصلہ کن مرحلہ نہیں آیا ہے ۲۹ جولائی کو شیخ عبداللہ نے نئی دہلی میں وزیراعظم مسز گاندھی کے ساتھ سخت حفاظتی انتظامات میں ایک خفیہ ملاقات کی۔ امتناعی احکامات کی منسوخی

کے بعد یہ ان کی دوسری ملاقات تھی۔ جو ایک سال کے اندر اندر ہوئی۔ شیخ عبد اللہ دہلی اور بڑودہ کے دس روزہ دورے پر تھے کہ ”ہندوستان ٹائمز“ مورخہ ۲ اگست ۱۹۷۳ء نے ان کا ایک بیان شائع کیا کہ ریاست جموں و کشمیر بھارت کا الٹ حصہ ہے۔ کشمیر میں اس بیان کی اشاعت سے شیخ عبد اللہ کے خلاف ناراضگی اور غصے کی ایک زبردست لہر پھیل گئی۔ ۸ اگست کو آپ اپنا دس روزہ دورہ ختم کر کے واپس سری نگر پہنچے۔ ان دنوں میں یہ بات عام ہو گئی کہ وزیراعظم مسز گاندھی شیخ عبد اللہ کو مرکز میں لے کر ان سے ہندوستانی مسلمانوں کو کانگریس کا ہمنوا بنانے کا کام لیں گی۔ اس رپورٹ کو اس وقت اور زیادہ تقویت مل گئی جب ۹ اگست ۱۹۷۳ء کو مجاہد منزل میں اپنی معزولی کا بیس سالہ پرانا ماتم منانے کے لئے ایک جلسہ عام میں انہوں نے یہ انکشاف کیا۔

”اس وقت میرا میدان کار صرف کشمیر ہی نہیں ہے، بلکہ پورا ہندو پاک ہے۔ میں وقتاً فوقتاً“ باہر جاتا رہوں گا۔ لیکن وہاں بھی کشمیریوں کو نہیں بھولوں گا۔ ہمیں اپنی ہی نہیں بلکہ سارے ہندوستان کی رہنمائی کرنی ہے۔ ہم ایک قابل قدر تصفیہ چاہتے ہیں، اور جلد بازی نقصان دہ ثابت ہوگی“

تقریر کے دوران آپ نے اخبار نویسوں کو بھی کوسا اور ان پر بدظنی پیدا کرنے کے الزامات لگائے۔

### پاکستانی صحافی کا شیخ عبد اللہ سے سوال

۲۲ اگست ۱۹۷۳ء کو نئی دہلی میں پریس کلب آف انڈیا نے شیخ محمد عبد اللہ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا۔ حسن اتفاق سے اس دعوت میں ایک پاکستانی اخبار نویس بھی موجود تھا۔ اس موقع پر جب شیخ عبد اللہ نے دعویٰ کیا کہ رائے شماری اور الیکشن ایک ہی چیزیں ہیں۔ تو پاکستانی اخبار نویس نے شیخ عبد اللہ پر اور جرح کی۔ ”شیخ صاحب! آپ کس طرح رائے شماری اور الیکشن کو ایک ہی درجہ دیتے ہیں۔ الیکشن کے ذریعے لوگوں کی مرضی دریافت کی جاتی ہے کہ ان پر کون سی جماعت حکومت کرے جبکہ رائے شماری اس سے بھی زیادہ ایک بنیادی چیز ہے۔“

### پہلگام میں، اندرا، شیخ ملاقات

۲۶ ستمبر ۱۹۷۳ء کو وزیراعظم سری نگر آئیں۔ ۲۸ ستمبر کو شیخ محمد عبد اللہ نے اپنے ذاتی قصر میں ان کے اعزاز میں ایک عشاء دیا، اور ۲۷ ستمبر کو دونوں لیڈروں نے پہلگام جا کر وہاں کی قدرتی حسن آشنائیوں میں کشمیر کے رموز و اسرار کا جائزہ لیا۔ ان کی بات چیت ۷۵ منٹ جاری رہی۔ کشمیر میں اپنے قیام کے دوران مسز گاندھی کو کافی ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ مثلاً ۲۸ ستمبر کو انہوں نے وزیراعلیٰ کی سرکاری قیام گاہ پر پولیس اور سیکورٹی عملے کے سخت پہرے میں کانگریسی کارکنوں سے خطاب کیا۔ وزیراعظم نے پارٹی مضبوط بنانے پر زور دیا، اور شیخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ”مجھے خوشی ہے کہ کشمیر کے کچھ لوگ جو پہلے علیحدہ رہتے تھے، اب سارے ملک کے لئے دلچسپی لے رہے ہیں۔“

### شیخ عبد اللہ پر مادی احسانات

ان ہی دنوں میں ایک اخبار نے انکشاف کیا کہ شیخ عبد اللہ کے داماد غلام محمد شاہ کو کابینہ میں لیا جائے گا۔ اور فرزند طارق عبد اللہ کو لندن سے واپس بلا کر دوبارہ ہندوستانی شہریت دی جائے گی۔ اور پھر انہیں کسی اونچے عہدے سے بھی نوازا جائے گا۔ علاوہ ازیں شیخ عبد اللہ کا خاندان مادی مراعات کے احسانات سے زیر بار کیا جا رہا تھا۔

دہلی کے ہفتہ وار ”ہمت“ میں اکتوبر ۱۹۷۳ء میں شیخ عبد اللہ نے اپنے ایک مقالے میں لکھا کہ :-

”میں مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے رائے شماری پر اصرار نہیں کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کوئی اور راستہ بھی نکل سکتا ہے۔ میرے نمائندہ مرزا محمد افضل بیگ اور وزیراعظم مسز گاندھی کے نمائندہ مسٹر جی پارتھا سار تھی کے درمیان بات چیت جاری ہے۔ اگر ہندوستان ہمارے ساتھ تصفیہ کرنے کا خواہاں ہے، تو وہ ۱۹۵۳ء کی پوزیشن پر لوٹ آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی کے باقی ماندہ سال ہندوستان کے مسائل حل کرنے میں صرف کروں۔ کشمیر سے باہر بھی کئی مسائل ہیں۔ اگر ہندوستان پر کوئی آفت آگئی، تو کشمیر بھی سلامت نہیں رہے گا۔“

## ”بک آف نالچ“ پر زنانہ کالج کی ایجی ٹیشن

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب کشمیر کے لوگ بیگ، پارتھاسار تھی مذاکرات کی کھڑی کی تیاری سے واقف ہونے لگے۔ ان کا رد عمل سرخ انگاروں کی طرح ظاہر ہونے لگا۔ اسی اثناء میں سری نگر کی عید گاہ میں نماز عید کے موقع پر شیخ عبداللہ اور میر واعظ مولوی محمد فاروق کے حامیوں کے درمیان تصادم ہوا۔ جس نے شہر کے اندرونی علاقے بری طرح متاثر کر دیئے لیکن کشمیر کی باشعور اور جدوجہد پسند نسل کا اضطراب اور عنیض و غضب وہ ایجی ٹیشن تھی جس کے روح رواں ہمارے حساس دل نوجوان طلبہ بنے ۲۱ مئی ۱۹۷۳ء کو ڈگری کالج اسلام آباد میں طلبہ نے ایک دھماکہ خیز کارکنشاف کیا۔ وہ ایک برطانوی مصنف کی ایک قدیم مشہور عالم تصنیف ”بک آف نالچ“ چلڈرنز انسائیکلو پیڈیا“ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لکھے گئے من گھڑت، شرانگیز اور ہتک آمیز بہتان کے خلاف مشتعل ہو گئے۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن پبشنگ ہاؤس لندن نے ۱۸۸۸ء میں شائع کیا تھا۔ اور اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ کتاب کا ایک نسخہ مشن سکول اسلام آباد کی لائبریری میں تھا۔ اور ۱۹۵۰ء میں مشن سکول کے بند ہو جانے پر جو چند کتابیں تھے کے طور پر ڈگری کالج اسلام آباد کو دی گئی تھیں، ان میں یہ فتنہ انگیز کتاب بھی تھی۔ اس انکشاف کے بعد جذبات کے شعلے بھڑک اٹھے اور طلبہ نے سوال کیا کہ کیا معاملہ ہے کہ ایک دل آزار اور فتنہ سامان تحریر ریاست جموں و کشمیر کے کستی کتب خانے میں موجود ہو۔ بہر کیف اسلام آباد سے شروع ہونے والی ایجی ٹیشن کی چنگاریاں آنا ”فانا“ ساری وادی میں پھیل گئیں۔ اور وادی کے گوشے گوشے سے کتاب پر فی الفور پابندی عائد کرانے کی مانگ کی گئی۔ چنانچہ ریاستی حکومت اور مرکزی حکومت نے ساری ریاست جموں و کشمیر اور سارے ہندوستان میں کتاب کی موجودگی کو غیر قانونی قرار دیا اور ملک بھر میں اس کی کاپیاں ضبط کرنے کے فوری احکامات جاری کر دیئے گئے۔

### پولیس اور عوام میں تشدد

بک آف نالچ پر پابندی عائد کرانے کے لئے کشمیر میں جو مظاہرے شروع ہو گئے انہوں نے پولیس کے تشدد، گولیوں اور کئی افراد کی ہلاکتوں کی وجہ سے صورت

حال کو اور زیادہ بگاڑ دیا، اور ان مظاہروں، ہڑتالوں اور اسٹراٹکوں کا سلسلہ ۲۱ مئی کے بعد بھی کئی روز تک مسلسل جاری رہا۔ حالانکہ حکومت نے دفعہ ۱۳۴ کے تحت جلسوں اور جلوسوں پر مکمل پابندی عائد کر رکھی تھی۔ ان مظاہروں، اسٹراٹکوں اور ہڑتالوں میں مردوں اور عورتوں، سکولوں اور کالجوں کے طلباء، مختلف درس گاہوں اور درس گاہوں سے باہر نو عمر لڑکوں نے بھرپور حصہ لیا اور بنیادی مطالبے کے علاوہ ہلاک ہونے والے افراد کا ماتم بھی کیا۔ مظاہرین نے سری نگر میں بڈ شاہ ہوٹل کے سامنے کھڑی اوقاف بلڈنگ کی بالائی منزل میں واقع تاج ہوٹل، ایک بینک، پریس انفارمیشن، پیورو گورنمنٹ آف انڈیا اور کئی جیپوں اور گاڑیوں پر سنگ باری کی۔ پولیس اور مظاہرین کے درمیان تصادم میں کئی لوگ اور پولیس والے جن میں ڈی، ایس جی محمد سلطان بھی شامل تھے۔ زخمی ہو گئے پولیس کی گولیوں سے ایک سرکاری اطلاع کے مطابق دو نوجوان لیکن غیر سرکاری اطلاعات کے تحت ۴ افراد ہلاک ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص کو اپنی چھت سے گولی مار کر نیچے گرایا گیا اور وہ مر گیا۔ ہلاک ہونے والوں میں بھیرو گھاٹ ماٹیم کا ایک ۲۳ سالہ خاکروب غفار شیخ اور دوسرا عبدالرشید گوجری ولد غفار گوجری تھے۔ کہتے ہیں کہ غفار شیخ اپنی ڈیوٹی پر جا رہا تھا۔ ۲۳ مئی کو سری نگر کی جامع مسجد کے باہر ایک مشتعل ہجوم نے مولوی محمد فاروق اور مرزا محمد افضل بیگ کے خلاف مظاہرے کئے۔ اور مولوی محمد فاروق کی کار کو نقصان پہنچایا گیا۔ لوگ عبدالرشید گوجری کی نعش کو جامع مسجد کے صحن میں دفن کرنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ ”بک آف نالچ“ پر پابندی لگ جانے کے بعد سری نگر میں مرزا محمد افضل بیگ اور مولوی محمد فاروق نے مظاہروں کو روکنے اور ہڑتالوں کو کھلانے کی کوششیں کیں۔ لیکن لال چوک بہوری کدل اور نوہٹہ میں مرزا بیگ اور مولوی فاروق کی تقریروں میں ہونٹک کی گئی اور ”ہندوستانی ایجنٹ واپس جاؤ“ کے نعرے بلند کئے گئے۔ ”ہمارا کوئی لیڈر نہیں ہے۔“ کے نعروں سے طلبہ نے سری نگر میں گونج پیدا کی۔ مرزا محمد افضل بیگ اور میر واعظ مولوی محمد فاروق کی طرف سے ہڑتال کھولنے کی اپیلوں کے باوجود عوام نے ہڑتال کامیاب بنائی۔

### بیگ فاروق جلسہ:-

۲۳ مئی کو جامع مسجد سرینگر میں شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ اور مولوی

محمد فاروق نے ایک ہی اجتماع سے اپنی اپنی تقریروں کے ذریعے اصلی سازش کو ننگا کرنے کی مانگ کی۔ اس ایجی ٹیشن کے دوران کشمیر یونیورسٹی کے کیمپس میں بھی طلبہ و طالبات کے ایک جلسے میں اقوام عالم سے اپیل کی گئی کہ وہ ”بک آف نالج“ جیسی فتنہ انگیز کتاب کو تلف کرنے کے انتظامات کریں۔ اور طالب علم مظاہرین نے سونہ وار میں واقع اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر کو ایک یادداشت پیش کی جس میں مانگ کی گئی کہ اقوام متحدہ کے ذریعے ”بک آف نالج“ کے دل آزار اور فتنہ سامان اوراق ساری دنیا میں تلف کر دیئے جائیں کئی روز کی اس ایجی ٹیشن کے دوران پولیس نے بہت سارے نوجوان اور طلبہ گرفتار کر دیئے۔

### زنانہ کالج کے نام پر شورش

مرکز اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان مجوزہ پیکٹ کی تیاریوں پر نئی پود کے سینے میں جولوا پک رہا تھا۔ مولانا آزاد کالج سرینگر کے واقعات نے اس کو اور زیادہ ہولناک بنا دیا۔ یہ لاوا موسم خزاں میں پھٹ گیا، اس خبر کے ساتھ کہ حکومت نے مولانا آزاد روڈ پر واقع زنانہ کالج کا نام نہرو میموریل زنانہ کالج سے بدل دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس مبینہ فیصلے کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے آس پاس کے کالج طلبہ نے زنانہ کالج پر بلر بول دیا، جہاں کالج کا نام بدلانے کے سلسلے میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا اور شیخ محمد عبداللہ تقریب کی صدارت کرنے کے لئے اپنے قصر سے نکل چکے تھے۔ طلبہ و طالبات کے مشترکہ احتجاج سے تقریب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پولیس نے طلبہ و طالبات پر بے رحمی سے ڈنڈے برسائے اور اٹک اور گیس کے گولے پھینکے۔ اس تشدد میں طلبہ اور طالبات کی ایک نامعلوم تعداد زخمی ہوئی اور بہت سارے زخمی صدر ہسپتال سری نگر میں داخل کر دیئے گئے۔ تصادم میں ایک طالبہ اپنی آنکھ سے محروم ہو گئی۔ مظاہرین کا مطالبہ یہ تھا کہ کالج کا اپنا قدیم نام برقرار رکھا جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مرکزی حکومت ریاستی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کے خلاف یکساں قسم کے نعرے بلند کر کے اپنے غصے کو ظاہر کر دیا۔ ۸ نومبر ۷۳ء کو یہ ایجی ٹیشن سوپور اور اسلام آباد تک پھیل گئی، بازار بند ہو گئے اور ٹریفک جام ہو گیا۔ اسلام آباد میں ایس پی اور پولیس کے کئی سپاہی بھی زخمی ہو گئے اور وزیر تعلیم کی کار پر مشتعل مظاہرین نے پتھراؤ کیا۔ یہاں بھی مظاہرین مرکزی اور ریاستی سرکاروں کے

علاوہ کشمیری لیڈروں کے خلاف نعرے بلند کر رہے تھے۔ طلبہ کے مخالفانہ نعروں کا خصوصی نشانہ شیخ محمد عبداللہ بن گئے تھے۔



## وزیر اعظم پاکستان کا اعلان

ان دنوں وزیر اعظم پاکستان مشر ذوالفقار علی بھٹو آزاد کشمیر کے چار روزہ دورے پر تھے۔ اور یہ بھید سب پر کھل چکا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ حق خود ارادیت کی مانگ سے دست بردار ہو کر ہند کے ساتھ ایک ناقابل قبول اور بے قدر قیمت سودا طے کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ پاکستان کو ساری صورتحال پر نظر تھی۔ خود وزیر اعظم پاکستان کو پاکستان اور آزاد کشمیر دونوں جگہ کشمیر کے سوال پر دباؤ کا سامنا تھا۔ چنانچہ وزیر اعظم بھٹو نے آزاد کشمیر میں ایک سنسنی خیز اور سحر انگیز اعلان میں کہا کہ میں فی الحال کشمیر میں رائے شماری کرانے کے لئے ایک طریقہ تجویز کرتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ میں تمام کشمیریوں اور پاکستانیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسی جمعہ کو مکمل ہڑتال کریں، جس کا اعلان میں اس جمعہ سے دو روز پہلے کروں گا۔ آپ نے اپیل کی کہ اس جمعہ پر تمام دکانوں کو بند رہنا چاہیے۔ کوئی مدرسہ اور کالج بھی نہ کھلے اور لوگ گھروں سے باہر بھی نہ نکلیں۔ مجوزہ ہڑتال کے ذریعے دنیا کو بتا دیا جائے گا کہ کشمیری اپنی قسمت کس ملک کے ساتھ وابستہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ نے واضح کر دیا کہ مجوزہ ہڑتال امن، نظم اور ضبط سے ہو۔ اور کسی قسم کا جلسہ ہو نہ جلوس نکلے۔ پاکستان کے اس تازہ ترین اعلان نے کشمیری عوام کی شریانوں میں زندگی کا خون جاری کر دیا۔ اور حکومت ہند، ریاستی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کی پریشانیوں کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ اس لئے احتیاطی طور پر ریاستی حکام نے بہت سارے طلباء اور نوجوان نظر بند کر دیئے۔ دوسری طرف سے شیخ عبداللہ نے کھلم کھلا ہند کے ساتھ الحاق کے حق میں اپنی آواز اٹھائی۔ جموں میں پریس کلب سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

”وزیر اعظم پاکستان نے حال ہی میں جو بیانات دیئے ہیں، ان سے کشمیر کی موجودہ سیاسی صورتحال اور اس کے ڈھانچہ میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ کوئی بھی نعرہ خواہ وہ کسی بھی طرف سے بلند کیا جائے، ریاست جموں و کشمیر کی صورتحال کو تبدیل نہیں کر سکتا، یہ غلط ہے کہ میں نے کبھی ہند سے الگ ہونے کی مانگ کی تھی، ۵۳ء میں

جو کچھ ہوا۔ وہ غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔ اور ان غلط فہمیوں کو دور کیا جانا چاہیے۔ ۵۳ء میں ہم نے ہند کے ساتھ الحاق کیا ہمارا یہ فیصلہ کافی سوچ بچار کے بعد ہوا۔ میں وزیر اعظم گاندھی کی مشکلات کو سمجھتا ہوں۔ ان مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔“

## شہید گنج کا حادثہ

۱۱ نومبر ۱۹۷۳ء کو شہید گنج سری نگر میں ایک دکان پر شیخ محمد عبداللہ اور پاکستان کے حامیوں کے درمیان سیاسی بحثا بحثی میں ایک پاکستان نواز اپنے مخالف کی مار پیٹ سے ہلاک ہو گیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات روزنامہ ”اذان“ مورخہ ۱۳ نومبر نے اس طرح شائع کیں:-

”کل (۱۱ نومبر) یہاں شہید گنج میں ادھیڑ عمر کے ایک شخص کو مبینہ طور پر قتل کرنے کے الزام میں پولیس نے ۹ افراد کو پوچھ گچھ کے لئے حراست میں لے لیا۔ ہمارے رپورٹر کی اطلاع کے مطابق ایک درزی کی دکان کے سامنے سیاسی بحث کے دوران چند اشخاص کے درمیان معمولی جھگڑے نے خطرناک صورت اختیار کی۔ یہ بحث شیخ عبداللہ کی حالیہ تقریر پر ہوئی جو انہوں نے جموں میں پریس کلب کے سامنے کی تھی۔ تھوڑے ہی وقت میں چند آدمی ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو گئے۔ اس تصادم کے دوران ایک گروہ جس میں محاذ رائے شماری حلقہ شہید گنج کے عہدیدار بھی شامل تھے، سے ایک شخص نے اٹھ کر چالیس سالہ غلام قادر بٹ کی مار پیٹ کی اور لات مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ پھر وہ فوراً ”دم توڑ بیٹھا“..... اب بیشتر لوگ گھروں سے باہر نکل کر سڑکوں پر جمع ہو گئے۔ لیکن پولیس نے ان کو منتشر کر کے لاش پر قبضہ کر لیا۔ اس حادثہ کے بعد رات گئے تک شہر کے مختلف علاقوں میں کشیدگی جاری رہی۔ کئی لوگ خاص کر خواتین نے جلوس نکالے اور سیاسی نعرے بلند کئے۔ پولیس نے اس واردات کے سلسلہ میں جن افراد کو دھر لیا ان میں حلقہ محاذ رائے شماری کے ایک عہدہ دار کے علاوہ ایک ڈرائیور مسمیٰ عبدالعزیز بھی شامل ہے۔ جس نے مبینہ طور پر مقتول کے پیٹ پر لات ماری۔“

## انجینئرنگ کالج کا احتجاج

۱۲ نومبر کو سری نگر کے زنانہ کالج کے واقعات کے بعد شہر کے سرکاری

محمد فاروق نے ایک ہی اجتماع سے اپنی اپنی تقریروں کے ذریعے اصلی سازش کو ننگا کرنے کی مانگ کی۔ اس ایجنسی ٹیشن کے دوران کشمیر یونیورسٹی کے کیمپس میں بھی طلبہ و طالبات کے ایک جلسے میں اقوام عالم سے اپیل کی گئی کہ وہ ”بک آف نالج“ جیسی فتنہ انگیز کتاب کو تلف کرنے کے انتظامات کریں۔ اور طالب علم مظاہرین نے سونہ وار میں واقع اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر کو ایک یادداشت پیش کی جس میں مانگ کی گئی کہ اقوام متحدہ کے ذریعے ”بک آف نالج“ کے دل آزار اور فتنہ سامان اوراق ساری دنیا میں تلف کر دیئے جائیں کئی روز کی اس ایجنسی ٹیشن کے دوران پولیس نے بہت سارے نوجوان اور طلبہ گرفتار کر دیئے۔

### زنانہ کالج کے نام پر شورش

مرکز اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان مجوزہ پیکٹ کی تیاریوں پر نئی پود کے سینے میں جولواؤ پک رہا تھا۔ مولانا آزاد کالج سرینگر کے واقعات نے اس کو اور زیادہ ہولناک بنا دیا۔ یہ لاوا موسم خزاں میں پھٹ گیا، اس خبر کے ساتھ کہ حکومت نے مولانا آزاد روڈ پر واقع زنانہ کالج کا نام نہرو میموریل زنانہ کالج سے بدل دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس مبینہ فیصلے کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے آس پاس کے کالج طلبہ نے زنانہ کالج پر بلہ بول دیا، جہاں کالج کا نام بدلانے کے سلسلے میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا اور شیخ محمد عبداللہ تقریب کی صدارت کرنے کے لئے اپنے قصر سے نکل چکے تھے۔ طلبہ و طالبات کے مشترکہ احتجاج سے تقریب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پولیس نے طلبہ و طالبات پر بے رحمی سے ڈنڈے برسائے اور اشک آور گیس کے گولے پھینکے۔ اس تشدد میں طلبہ اور طالبات کی ایک نامعلوم تعداد زخمی ہوئی اور بہت سارے زخمی صدر ہسپتال سری نگر میں داخل کر دیئے گئے۔ تصادم میں ایک طالبہ اپنی آنکھ سے محروم ہو گئی۔ مظاہرین کا مطالبہ یہ تھا کہ کالج کا اپنا قدیم نام برقرار رکھا جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مرکزی حکومت ریاستی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کے خلاف یکساں قسم کے نعرے بلند کر کے اپنے غصے کو ظاہر کر دیا۔ ۸ نومبر ۱۹۷۳ء کو یہ ایجنسی ٹیشن سوپور اور اسلام آباد تک پھیل گئی، بازار بند ہو گئے اور ٹریفک جام ہو گیا۔ اسلام آباد میں ایس پی اور پولیس کے کئی سپاہی بھی زخمی ہو گئے اور وزیر تعلیم کی کار پر مشتمل مظاہرین نے پتھراؤ کیا۔ یہاں بھی مظاہرین مرکزی اور ریاستی سرکاروں کے

علاوہ کشمیری لیڈروں کے خلاف نعرے بلند کر رہے تھے۔ طلبہ کے مخالفانہ نعروں کا خصوصی نشانہ شیخ محمد عبداللہ بن گئے تھے۔

جو کچھ ہوا۔ وہ غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔ اور ان غلط فہمیوں کو دور کیا جانا چاہیے۔ ۶۴۷ء میں ہم نے ہند کے ساتھ الحاق کیا ہمارا یہ فیصلہ کافی سوچ بچار کے بعد ہوا۔ میں وزیراعظم گاندھی کی مشکلات کو سمجھتا ہوں۔ ان مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔“

### شہید گنج کا حادثہ

۱۱ نومبر ۱۹۷۳ء کو شہید گنج سری نگر میں ایک دکان پر شیخ محمد عبداللہ اور پاکستان کے حامیوں کے درمیان سیاسی بحثا بحثی میں ایک پاکستان نواز اپنے مخالف کی مار پیٹ سے ہلاک ہو گیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات روزنامہ ”اذان“ مورخہ ۱۳ نومبر نے اس طرح شائع کیں:-

”کل (۱۱ نومبر) یہاں شہید گنج میں ادھیڑ عمر کے ایک شخص کو مبینہ طور پر قتل کرنے کے الزام میں پولیس نے ۹ افراد کو پوچھ گچھ کے لئے حراست میں لے لیا۔ ہمارے رپورٹر کی اطلاع کے مطابق ایک درزی کی دکان کے سامنے سیاسی بحث کے دوران چند اشخاص کے درمیان معمولی جھگڑے نے خطرناک صورت اختیار کی۔ یہ بحث شیخ عبداللہ کی حالیہ تقریر پر ہوئی جو انہوں نے جموں میں پریس کلب کے سامنے کی تھی۔ تھوڑے ہی وقت میں چند آدمی ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو گئے۔ اس تصادم کے دوران ایک گروہ جس میں محاذ رائے شماری حلقہ شہید گنج کے عہدیدار بھی شامل تھے، سے ایک شخص نے اٹھ کر چالیس سالہ غلام قادر بٹ کی مار پیٹ کی اور لات مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ پھر وہ فوراً ”دم توڑ بیٹھا“..... اب بیشتر لوگ گھروں سے باہر نکل کر سڑکوں پر جمع ہو گئے۔ لیکن پولیس نے ان کو منتشر کر کے لاش پر قبضہ کر لیا۔ اس حادثہ کے بعد رات گئے تک شہر کے مختلف علاقوں میں کشیدگی جاری رہی۔ کئی لوگ خاص کر خواتین نے جلوس نکالے اور سیاسی نعرے بلند کئے۔ پولیس نے اس وادارت کے سلسلہ میں جن افراد کو دھر لیا ان میں حلقہ محاذ رائے شماری کے ایک عہدہ دار کے علاوہ ایک ڈرائیور مسی عبدالعزیز بھی شامل ہے۔ جس نے مبینہ طور پر مقتول کے پیٹ پر لات ماری۔“

### انجینئرنگ کالج کا احتجاج

۱۲ نومبر کو سری نگر کے زنانہ کالج کے واقعات کے بعد شہر کے سرکاری

### وزیراعظم پاکستان کا اعلان

ان دنوں وزیراعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو آزاد کشمیر کے چار روزہ دورے پر تھے۔ اور یہ بھید سب پر کھل چکا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ حق خودارادیت کی مانگ سے دست بردار ہو کر ہند کے ساتھ ایک ناقابل قبول اور بے قدر و قیمت سودا طے کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ پاکستان کو ساری صورتحال پر نظر تھی۔ خود وزیراعظم پاکستان کو پاکستان اور آزاد کشمیر دونوں جگہ کشمیر کے سوال پر دباؤ کا سامنا تھا۔ چنانچہ وزیراعظم بھٹو نے آزاد کشمیر میں ایک سنسنی خیز اور سحرانگیز اعلان میں کہا کہ میں فی الحال کشمیر میں رائے شماری کرانے کے لئے ایک طریقہ تجویز کرتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ میں تمام کشمیریوں اور پاکستانیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسی جگہ کو مکمل ہڑتال کریں، جس کا اعلان میں اس جمعہ سے دو روز پہلے کروں گا۔ آپ نے اپیل کی کہ اس جمعہ پر تمام دکانوں کو بند رہنا چاہیے۔ کوئی مدرسہ اور کالج بھی نہ کھلے اور لوگ گھروں سے باہر بھی نہ نکلیں۔ مجوزہ ہڑتال کے ذریعے دنیا کو بتا دیا جائے گا کہ کشمیری اپنی قسمت کس ملک کے ساتھ وابستہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ نے واضح کر دیا کہ مجوزہ ہڑتال امن، نظم اور ضبط سے ہو۔ اور کسی قسم کا جلسہ ہو نہ جلوس نکلے۔ پاکستان کے اس تازہ ترین اعلان نے کشمیری عوام کی شریانوں میں زندگی کا خون جاری کر دیا۔ اور حکومت ہند، ریاستی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کی پریشانیوں کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ اس لئے احتیاطی طور پر ریاستی حکام نے بہت سارے طلباء اور نوجوان نظر بند کر دیئے۔ دوسری طرف سے شیخ عبداللہ نے کھلم کھلا ہند کے ساتھ الحاق کے حق میں اپنی آواز اٹھائی۔ جموں میں پریس کلب سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:-

”وزیراعظم پاکستان نے حال ہی میں جو بیانات دیئے ہیں، ان سے کشمیر کی موجودہ سیاسی صورتحال اور اس کے ڈھانچہ میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ کوئی بھی نعرہ خواہ وہ کسی بھی طرف سے بلند کیا جائے، ریاست جموں و کشمیر کی صورتحال کو تبدیل نہیں کرسکتا، یہ غلط ہے کہ میں نے کبھی ہند سے الگ ہونے کی مانگ کی تھی، ۱۹۵۳ء میں

مدرسے اور انجینئرنگ کالج دوبارہ کھل گئے۔ تو طلبہ اور نوجوانوں نے تشدد آمیز مظاہرے کئے اور پولیس نے ان کو منتشر کرنے کے لئے اشک اور گیس کے گولے پھینکے۔ یہ صورتحال صبح گیارہ بجے سے رات گئے تک جاری رہی۔ ریڈیو کالج روڈ، ایکسچینج روڈ، بڈ شاہ چوک، لال چوک اور گاؤ کدل میں پولیس اور طلبہ کے درمیان جھڑپیں جاری رہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب انجینئرنگ کالج کے طلبہ کالج کی بسوں میں سوار ہو کر لال چوک اور ریڈیو کالج روڈ پر اترے۔ ان طلبہ نے پاکستان کے حق میں نعرے بلند کئے، ایک راہ چلتی فوجی گاڑی پر پتھراؤ کیا، مرکزی حکومت کے پریس انفارمیشن بیورو کے کمروں سے سامان نکال کر باہر سڑک پر پھینک دیا، اور چند ایک سرکاری عمارتوں پر پتھراؤ کیا۔ جھڑپوں میں دونوں طرف کے افراد زخمی ہو گئے اور بھی کئی طلبہ حراست میں لئے گئے۔ جب کہ مظاہرین کا مطالبہ یہ تھا کہ گزشتہ چند روز کے دوران جو طلبہ گرفتار کر لئے گئے ہیں ان کو رہا کر دیا جائے۔ اس کے بعد سری نگر کی میونسپل حدود میں دفعہ ۱۴۳ نافذ کر دی گئی۔ اور انجینئرنگ کالج کو پھر سے بند کر دیا گیا۔ لیکن طلباء کی ایجنسی نیشن نے سوپور، اسلام آباد اور بارہ مولہ کے اہم قصبوں کو بھی اپنی پلیٹ میں لے لیا۔ اس پر حکومت نے تینوں ضلعوں کے طلبہ گرفتار کئے۔ اور جلسوں اور جلوسوں پر پابندیاں عائد کیں۔

### جموں کا جواہی حملہ

کشمیر کی سٹوڈنٹ ایجنسی نیشن نے جموں کے بعض عناصر کو بے چین کیا چنانچہ جموں کے طلبہ نے کشمیر کی سٹوڈنٹ ایجنسی نیشن کے خلاف جواہی مظاہرے کئے اور ان مظاہروں میں پاکستان کے خلاف نعرے بلند کئے گئے۔ جموں میں طلبہ نے مولانا آزاد کالج جموں کا بورڈ احتجاج کے طور پر نیچے اتار دیا۔ اور مرحوم مولانا آزاد کے نام پر اپنا نزلہ اتارا۔ حالانکہ مرحوم آزاد نے عمر بھر متحدہ قومیت کی بنیاد پر ہندوستان کی جنگ آزادی لڑی اور پہلی صف میں انڈین نیشنل کانگریس کی رہنمائی کی۔ وہ کشمیری بھی نہ تھے۔ لیکن اندھے فرقہ پرستوں کی نظر میں ان کا جرم صرف اسلام تھا۔

### عبداللہ کی یورش

مئی میں ”بک آف نالچ“ ایجنسی نیشن سے لے کر زنانہ کالج امیر کدل کی ایجنسی نیشن تک کشمیر میں جتنے سیاسی واقعات رونما ہوئے ان سب نے وادی کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ کے خلاف نفرت اور بے زاری کا عام ماحول پیدا کر دیا۔ اور کشمیر میں مختلف سٹوڈنٹ تنظیموں نے شیخ کی تازہ ترین روش کے خلاف اعلان بغاوت کیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں زیر تعلیم کشمیری طلبہ نے شیخ عبداللہ کے خلاف بیانات جاری کئے اور ان کی قیادت پر عدم اعتماد کا اظہار کر دیا۔ شیخ نے قوم کی باغیانہ روش دیکھی، تو وہ درگاہ حضرت بل کے منبر پر چڑھے اور اعلان کر دیا کہ ”میں کشمیریوں کے حق خود ارادیت پر کوئی بھی سودا بازی نہیں کروں گا“ لیکن چند روز بعد جموں اور پٹنہ کی تقریروں میں انہوں نے پھر سے کشمیر کو ہندوستان کا جزو لاینفک قرار دیا۔

جب دہلی کے کانگریسی حکمرانوں نے دیکھ لیا کہ کشمیر میں حق خود ارادیت کی تحریک زور پکڑ رہی ہے، اور شیخ عبداللہ کی مدد حاصل کرنے کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کو کانگریس کے ہم رنگ زمین جال میں پھنسانے کی تمام تر کوششیں بے اثر ثابت ہو رہی ہیں، تو انہوں نے مناسب سمجھا کہ شیخ عبداللہ کو کشمیر کے اندر ہی حصول حق خود ارادیت کی تحریک کا توڑ کرنے کے لئے کچھ وقت دیا جائے۔ پریس ایشیا انٹرنیشنل نے اپنے ایک ہفتہ وار فیچر میں لکھا:

”یہ بات محسوس کی گئی ہے کہ ابھی کچھ اور وقت تک شیخ عبداللہ کو صوبے کے اندر رہ کر کام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ پہلے یہ خیال تھا کہ ہند اور پاکستان کے درمیان اچھے تعلقات قائم کرنے کے لئے شیخ عبداللہ کے اثر و رسوخ کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن پاکستان کے موجودہ رویہ کے پیش نظر یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ شیخ عبداللہ، ہند اور پاکستان کے مابین تعلقات استوار کروانے کی کوششوں میں مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ اور اب ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں کشمیر میں پاکستان کے چیلنج کا سامنا کرنے کے لئے پوری طرح تیار کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی متعدد سیاستدانوں خاص کر مسلم سیاست دانوں نے ہند کی مسلم سیاسیات میں شیخ عبداللہ کی شمولیت کے امکانات پر جو متضاد رد عمل ظاہر کیا ہے، اس سے ملک میں شیخ عبداللہ کی سرگرمیوں پر

کافی اثر پڑا ہے۔ برسر اقتدار پارٹی کے کچھ مسلم لیڈروں نے بھی ذاتی طور پر یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ شیخ عبداللہ مسلم سیاست میں کوئی اہم رول ادا نہیں کر سکیں گے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر شیخ عبداللہ حق خود ارادیت کی آواز کے خلاف اپنی مہم چلانے کے لئے کشمیر کے محاذ پر واپس آ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے فوراً ہی نوجوانوں اور طلبہ پر اپنی شعلہ مزاج یلغار کر دی۔ ۲ دسمبر ۷۳ء کو انہوں نے مجاہد منزل میں محاذ رائے شماری کے ورکروں سے خطاب کیا اور آزادی کشمیر کا مطالبہ غیر حقیقی اور ناقابل عمل قرار دیا۔ وزیراعظم پاکستان کی تجویز کردہ ہڑتال پر نکتہ چینی کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ گذشتہ ۲۵ برس میں پاکستانی لیڈروں نے آزاد کشمیر کے لئے کیا کچھ کیا کہ اب وہ اس کشمیر کے لئے کچھ کر سکیں گے۔ شیخ عبداللہ نے مولوی محمد فاروق، جماعت اسلامی کشمیر اور بخشی غلام محمد کے حامیوں کو خوب کوسا اور کہا کہ آزادی کا نعرہ دینا ایک خطرناک غار میں گرنے کے برابر ہے۔ مرکز کے ساتھ ہونے والے مذاکرات کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا کہ اس بات چیت کی بنیاد ۱۹۴۷ء ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات میں نے وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو بھی بتائی ہے۔ زنانہ کالج امیر اکدل سری نگر کو نئے سرے سے موسوم کرنے کی تجویز پر طلبہ کی ایجی ٹیشن اور انجینئرنگ کالج کی حدود سے طلبہ کا لال چوک پہنچ کر مظاہرہ کرنے کی حرکتوں پر پولیس کو کتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر پولیس اس گڑبڑ کو ناپسند کرتی تو وہ پہلے ہی انجینئرنگ کالج میں سی، آئی ڈی کو تعینات کر دیتی، اور جوں ہی طلبہ بسوں میں سوار ہو کر لال چوک کی طرف رخ کرتے تو پولیس راستے میں ہی ان کو لال چوک کے بجائے خواجہ یار بل (سنٹرل جیل) پہنچا سکتی۔

۶ دسمبر ۷۳ء کو شیخ عبداللہ اسلام آباد تشریف لے گئے۔ اور اسلام آباد چوک میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا۔ انہوں نے زنانہ کالج امیر اکدل کو از سر نو موسوم کرنے کی تجویز کے خلاف پیدا شدہ ایجی ٹیشن کا ذکر کرتے ہوئے الزام لگایا کہ فساد کرنے والے طلباء منسروں اور پولیس کے ایجنٹ ہیں۔ شیخ عبداللہ نے جماعت اسلامی کشمیر پر بھی زبردست حملے کئے۔ ۹ دسمبر ۷۳ء کو شیخ محمد عبداللہ سوپور چلے گئے سوپور میں ان کی آمد پر مقامی طلباء اور نوجوانوں نے زبردست مظاہرے کئے۔ ان مظاہروں سے پہلے اور ان کے دوران پولیس نے کئی طلباء بھی گرفتار کر لئے۔ مظاہروں کے دوران بازار جزوی طور پر بند ہو گیا۔ بڑے بازار میں صرف چند ایک دکان کھلے

نظر آئے۔ محاذ رائے شماری کی طرف سے آراستہ کئے گئے ماٹوز اور ڈیوڑھیاں پھاڑ ڈالی گئیں۔ بڑے پل کو پار کرنے کے بعد شیخ عبداللہ کے حفاظتی گارڈ اور طلبہ میں جھڑپ ہوئی، اور ان کے خلاف نعرے بلند ہوئے لاؤڈ اسپیکر والی جیپ کے شیشے سنگ باری سے ٹوٹ گئے۔ سی، آر، پی نے طلبہ کو منتشر کر دیا اور بعد میں سینٹرل ریزرو پولیس اور کشمیر پولیس کے کڑے پیرے میں شیخ محمد عبداللہ نے سول اڈے میں تقریر کی، انہوں نے طالب علموں کو متنبہ کیا کہ اگر مظاہرہ کرنے والے یہاں سے نہ بھاگے تو میں ان کو پل سے پھینک کر جہلم کے ذریعے پاکستان بھیجوں گا۔ شیخ عبداللہ نے جماعت اسلامی کشمیر اور میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ مرحوم پر سخت تنقید کی۔ شیخ عبداللہ نے کولگام کا دورہ بھی کیا اور وہاں بھی آپ کی تقریر کالب و لہجہ شعلہ سامان ہی رہا، اور پانپور کے دورے سے پہلے ہی وہاں کے چند نوجوانوں کو پولیس تھانوں میں بند کر دیا گیا۔

وادی کا دورہ مکمل کر لینے کے بعد شیخ عبداللہ جموں کے سہ روزہ دورے پر روانہ ہو گئے۔ اس موقع پر یو، این، آئی کے ساتھ سری نگر میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے مرکز کے ساتھ اپنے مذاکرات امید افزا قرار دیئے لیکن آپ نے یہ بھی کہا کہ بات چیت کی رفتار سست ہے۔ کٹھوعہ پینچنے پر قاسم وزارت کے وزیر مال و جنگلات خواجہ مبارک شاہ اور کانگریس کے صوبائی جنرل سیکرٹری منگت رام نے شیخ عبداللہ کا خیر مقدم کیا۔ خیر مقدم کرنے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”پاکستانی مقبوضہ کشمیر ہند کا ایک حصہ ہے، اور ہمیں اسے بھی آزاد کرنا ہے۔ ہندوستان میرا وطن ہے اور میں ہندوستان اور کشمیر کے درمیان دستاویز الحاق پر دستخط کرنے والوں میں سے ہوں۔“

کٹھوعہ، سانہ اور اودھم پور میں شیخ عبداللہ نے اور باتوں کے علاوہ کہا کہ ”ہند کے ساتھ ہماری نظریاتی ہم آہنگی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہمارا الحاق ان ہی مفادوں پر قائم ہے۔“

اقتدار کا ذکر کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے کہا:

”میں اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے ریاست کا پرائم منسٹر بننے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں نہ مرکز میں کوئی منسٹری اور نہ کوئی دوسرا سرکاری عہدہ لینے کا خواہش مند ہوں۔“

تراں میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

”میں نے مرکزی حکومت پر صاف طور پر واضح کیا ہے کہ ۵۳ء کے بعد جو قوانین ریاست پر نافذ کئے گئے ہیں۔ ان سب کو کالعدم کیا جانا ہو گا۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بات چیت ہو گی، اور بات چیت کے دوران ہندوستان کو یہ ضمانت دینا ہو گی کہ آئندہ اس قسم کی کوئی کوشش نہیں ہو گی۔“

آپ نے جماعت اسلامی کشمیر اور مولانا محمد یوسف شاہ پر بھی کڑی نکتہ چینی کی۔ مرزا محمد افضل بیک نے اپنی تقریر میں اس عجیب انکشاف کا اضافہ بھی کیا کہ ”کشمیر کے متعلق ہند نے اپنا موقف تو بدل دیا ہے جب کہ محاذ اپنے موقف پر قائم ہے۔ اب جب کہ کشمیر میں نیا باب کھولا گیا ہے۔ انٹروکیشن سینٹروں کے دروازے کھلے رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔“

۳ اپریل ۱۹۷۳ء کو مجاہد منزل سرینگر میں محاذ کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

”میں نے ہندوستان کے ساتھ اپنا رشتہ سوچ سمجھ کر جوڑا ہے نہ کہ جذبات میں آکر۔ لیکن ہم دونوں پر کچھ پابندیاں عائد ہیں۔ جنہیں ہم کو پورا کرنا ہے۔ میں ہند کے ساتھ کئے گئے اپنے وعدوں پر قائم ہوں۔ ہند کی وزیراعظم سے میں نے کہا ہے کہ ۱۹۵۳ء کی بنیاد پر اندرونی خود مختاری کا جو نقشہ بنتا ہے وہ ۷۰ء کی شکل میں آئین میں درج ہے۔ اگرچہ مجھے پوری امید ہے کہ وزیراعظم ضرور کچھ نہ کچھ کریں گی۔ لیکن ابھی تک ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا ہے۔ ہندوستان کے ساتھ جب کوئی سمجھوتہ ہو گا تو وہ لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا اور فیصلہ بھی لوگوں کو ہی کرنا ہے۔“

۱۹۷۳ء کی سٹوڈنٹ اتھل پھل نے نہ صرف محاذ کو اپنی اوقات یاد دلائی بلکہ بھارت کے کئی دانشوروں کو بھی یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ شیخ کی زندگی میں ہی کشمیر کے سوال پر ان کے ساتھ کسی معاہدے پر پہنچ جانا از بس ضروری ہے۔ مشہور کالم نویس کھپ نیئر نے بڑی بے قراری کے ساتھ روز نامہ انڈین ایکسپریس نئی دہلی میں یہ رائے ظاہر کی۔۔۔

پہلے سری نگر اور بعد میں بارہ مولہ کے مظاہروں کی وجہ سے شیخ محمد عبداللہ بے ہمت ہو گئے تھے۔ لیکن ان کے پیروکاروں نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ باہر آ کر

مقابلہ کریں..... وقت تیزی کے ساتھ حرکت کر رہا ہے شیخ عبداللہ پر بوڑھا پا چھا چکا ہے، اور ان کا اثر کم ہو رہا ہے..... ایک ایسی نسل بلوغت کو پہنچ چکی ہے جس کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ کے وہ تعلقات نہیں ہیں۔ ریاست میں ایک ایسا پاکستان نواز گروہ موجود ہے۔ جو ہندوستان کے ساتھ ہرگز مصالحت نہیں کرے گا، اور انتشار پیدا کرنے کا عمل جاری رکھے گا ایسا نظر آرہا ہے کہ نئی دہلی نے شیخ عبداللہ کے ساتھ معاملہ طے کرنے کے لئے کم و بیش ارادہ کر لیا ہے۔ اور وہ مناسب وقت کے انتظار میں ہے۔ حال میں ہی جب کچھ لوگ شیخ عبداللہ کی بعض ابتدائی تقریروں سے ناخوش تھے، تو مسز گاندھی نے انہیں جواباً کہا: ”تم شیخ صاحب کو میرے ذمے چھوڑ دو۔“

۱۹۷۴ء میں بیگ پارتھا سار تھی مذاکرات کبھی اہم، کبھی مضحکہ خیز اور کبھی ڈرامائی بن گئے۔ سال بھر کے مذاکرات کے بارے میں طرفین کے تاثرات متضاد رہے۔ کبھی کہا جاتا کہ بات چیت ناکام ہو گئی کبھی اسے کامیاب قرار دیا جاتا رہا۔ اور کبھی اسے تعطل کا شکار قرار دیا جاتا، اور کبھی اس بات چیت کے مستقبل کے بارے میں مایوسی پیدا کرنے والے سوانگ رچائے جاتے۔

۱۰ اپریل کو چشمہ شاہی گیٹ ہاؤس میں شیخ محمد عبداللہ اور مرکزی وزیر منصوبہ بندی مسٹر ڈی پی در کے درمیان صبح نو بجے سے دن کے دو بجے تک ایک خفیہ میٹنگ ہوئی، اور شیخ عبداللہ کو ایک بند کار میں یہاں پہنچایا گیا۔ اس دوران نہرو گیٹ ہاؤس میں انتظامات کے لئے حکومت کشمیر کے چیف سیکرٹری مقرر کئے گئے تھے۔

ان دنوں مذاکرات میں کچھ ست روی محسوس کی جاتی رہی۔ جس کی وجہ سے شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ اور محاذ کے خاص و عام پریشان ہو گئے۔ یہ نفسیاتی کیفیت وزیراعظم مزنگاندھی کی نوٹس میں لائی گئی چنانچہ انہوں نے مذاکرات میں تیز روی اور حوصلہ افزائی کا ایک نفسیاتی تاثر پیدا کرنے کے لئے چند نئے اقدامات کئے۔ مسزاندرا گاندھی کے حکم سے پارٹھاسارثی پیرس سے واپس طلب کئے گئے، اور ۲ جولائی ۱۹۵۷ء کو شیخ عبداللہ سے ملنے کے لئے سری نگر روانہ کئے گئے۔ سری نگر پہنچنے کے بعد پارٹھاسارثی نے شیخ اور بیگ کے ساتھ آئین کی دفعہ ۳۷۰ اور دہلی آگرمینٹ ۱۹۵۱ء پر الگ بات چیت کی۔ دوسرے روز مجاہد منزل میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مرزا محمد افضل بیگ نے کہا:

”نئی دہلی کے ساتھ ہماری بات چیت میں بڑی حد تک پیش رفت ہوئی ہے۔ اگرچہ ابھی تک کوئی ٹھوس حل یا فارمولا نہیں ابھرا ہے اور سیاسی سوالات شیخ صاحب نے اپنے ذمے لئے ہیں۔ ۵۳ء کے بعد جو قوانین کشمیر پر لاگو کر دیئے گئے ہیں۔ ہم ان کا جائزہ لے رہے ہیں کہ ان میں سے کون سے قابل قبول ہیں اور کون ناقابل قبول ہو گا۔“

محاذ کا نام تبدیل کرنے کے سوال کے بارے میں مرزا افضل بیگ نے کہا کہ اس قسم کی کوئی تجویز زیر غور نہیں ہے۔ سری نگر میں طویل مذاکرات کے بعد مسٹر بیگ نئی دہلی چلے گئے اور اخبارات نے بتایا کہ دونوں فریق سمجھوتہ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔

## محاذ کا سالانہ کنونشن

برطانیہ کے آزاد کشمیریوں کی آمد

۲ جولائی ۷۴ء کو ایک طیارہ کے ذریعے برطانیہ میں بسنے والے چند آزاد کشمیری افراد کا ایک قافلہ، محاذ کے سالانہ کنونشن میں شرکت کرنے کے لئے سری نگر پہنچ گیا۔ اس وفد کی رہنمائی ڈاکٹر فاروق عبد اللہ کر رہے تھے۔ مرزا محمد افضل بیگ نے مہمانوں کو ہوائی اڈے سے سیدھا مجاہد منزل پہنچایا، جہاں شیخ محمد عبد اللہ ان سے بغل گیر ہو گئے۔ مجاہد منزل میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ان مہمانوں نے کہا کہ کشمیر، کشمیریوں کا ہے اور اس کا فیصلہ نہ اندرا نہ بھٹو، نہ پاکستان اور نہ ہندوستان کر سکتے ہیں۔ اس موقع پر فاروق عبد اللہ نے کہا کہ میں آزاد کشمیر کے عوام کی طرف سے ایک تحفہ آپ کی خدمت میں لے کر آیا ہوں:

”چون دیش، میون دیش، سون دیش، کوشر دیش

ترجمہ: تمہارا وطن، میرا وطن اور ہمارا وطن کشمیر ہے

کہتے ہیں کہ یہ نعرہ این ایل، ایف کے ایک لیڈر نے دیا تھا۔ این ایل ایف ایک خود مختار کشمیر کے قیام پر اصرار کرتا ہے، اور آج کل برطانیہ میں اس کا سیاسی بازو ”محاذ آزادی“ کے نام سے موسوم ہے۔ پہلے یہ لوگ آزاد کشمیر اور برطانیہ دونوں جگہ محاذ رائے شماری کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ حیرت ہے کہ برطانیہ کے وہ آزاد کشمیری افراد، جو جموں و کشمیر کی خود مختار مملکت قائم کرنے کے تصور کے علمبردار ہیں، ایک ایسی لیڈر شپ کی دعوت پر مہمان بن کر کشمیر آئے، جو خود مختاری اور آزادی کا تصور بچ چکی تھی۔ اور ہندوستان کی سرداری کے سائے میں اور اسی کے چمکنے میں رہ کر چند بے قیمت مراعات پر قناعت کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں کہ خود مختار کشمیر کے قیام کی آرزو رکھنے والوں نے شیخ محمد عبد اللہ یا ان کے قانونی ملاحظہ کار سے کبھی یہ دریافت بھی کیا کہ اگر کشمیر ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ تو مسٹر بیگ کے ساتھ آئین ہند کے دائرے میں ان کی بات چیت کیا معنی رکھتی ہے کیا کشمیر ہندوستان کا کوئی داخلی اور دستوری تنازعہ ہے یا آزادی اور مستقبل کے تعین کا

سوال؟ نہ معلوم خود مختار کشمیر کے برطانوی حامیوں کو اتنی کیا بے قراری تھی کہ وہ بھارت سے اٹانوی کی ادنیٰ سی بھیک مانگنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لئے کشمیر آگئے، اور اس سارے معاملے کا غور طلب پہلو یہ ہے کہ حکومت ہند نے پہلی بار کچھ ایسے لوگوں کو فاروق عبداللہ کے ساتھ سرٹنگر آنے کی اجازت دی، جن کے بارے میں یہ یقین تھا کہ وہ برطانیہ کی ایک ایسی کشمیری تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کشمیر کی ایک خود مختار مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

### محاذ کا کنونشن

۵ جولائی ۷۷ء کو مجاہد منزل میں محاذ رائے شماری کا سہ روزہ کنونشن شروع ہو گیا۔ اس روز دریائے جلم سے محاذ کا ایک دریائی جلوس بھی گذرا، جس کے نعرے یہ تھے:

کشمیر کا فیصلہ کون کرے گا؟ ---- شیر کرے گا، شیر کرے گا  
چون دیش، میون دیش ---- کوشر دیش، زندہ باد  
جس کشمیر کو خون سے سینچا ---- وہ کشمیر ہمارا ہے  
شیر کشمیر ہمارا ہے

کنونشن کی کارروائی صدر مرزا محمد افضل بیگ کے خطبہ صدارت سے شروع ہوئی۔ آپ نے خطبہ صدارت میں علی الاعلان رائے شماری کے مطالبے سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ نئی دہلی کے ساتھ اپنے مذاکرات کا ذکر کرتے ہوئے خطبے میں کہا گیا کہ

”مرکز کے ساتھ بات چیت کے نتائج لوگوں کے سامنے رکھ کر ان کی تائید حاصل کی جائے گی۔ اس بات چیت میں ابتداء سے ہی فریقین کے ذہن میں یہ بات صاف تھی کہ اس مسئلہ کا ایک ایسا حل تلاش کیا جائے۔ جس کی تائید عوام کی اکثریت کرے۔ یہ بات درست ہے کہ وزیراعظم کی خواہش یہ ہے کہ کوئی قابل قبول حل نظر آئے۔ بلاشبہ انہیں کچھ دقتیں پیش آئیں گی، لیکن شیخ صاحب کی مشکلات بھی کچھ کم نہیں۔ اس لئے حل تلاش کرنے کے دوران ریاستی عوام کی طرف توازن رہے، تو انصاف اور انسانیت کے اصولوں کی قدردانی ہو گی۔ علاوہ اس کے ہر ایک مرحلے پر پاکستان کی رائے معلوم کرنا بھی لازمی ہے، تاکہ کوئی بھی تنازعہ اور اختلاف

باقی نہ رہے، رائے شماری ایک ذریعہ ہے، میری رائے میں پیش آمدہ حالات کو سامنے رکھ کر ایک ہی طریق کار پر بہ ضد رہنا ٹھیک نہیں، لوگوں کی رائے کسی اور منصفانہ طریقے سے بھی دریافت کی جاسکتی ہے..... آزاد کشمیر ہماری ریاست کا ایک جزو لاینفک ہے، اس لئے ریاست کو سیاسی مصلحتوں کے تحت تقسیم کرنا مذموم ہے..... پندرہ لاکھ بھائیوں کو بھی اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا موقعہ دیا جانا چاہیے۔“

مسٹر بیگ نے اپنے خطبہ صدارت میں دوسرے جلا وطن کشمیری لیڈروں کی طرح مولانا محمد یوسف شاہ کو بھی آزادی کا مجاہد قرار دیا۔

اس روز اسلامیہ کالج سری نگر کے طلباء نے محاذ رائے شماری کے خلاف نعرے بازی کرتے ہوئے ایک احتجاجی جلوس نکالا۔ ان طلباء نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کے حل کا واحد طریقہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں ایک آزاد اور بے ریا رائے شماری ہے۔ پولیس نے ان پر لاٹھی چارج کیا، اور ان کو زخمی کیا۔

### میرپوریوں کی خود فریبی

رائے شماری کے نعرے سے علی الاعلان دست بردار ہونے کے باوصف اب بھی پارٹی کے قائدین نے پارٹی کا نام تبدیل نہیں کیا، انہوں نے آنے والے اندرا، عبداللہ معاہدے کے وجود میں آنے تک اس مقبول عام نام سے حاصل ہونے والے فوائد سے خود کو محروم کر دینا، ڈپلومیسی کے خلاف تصور کیا۔ ۷ جولائی کو لال چوک میں محاذ کی طرف سے ایک عوامی جلسہ ہوا۔ شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ اور برطانیہ میں رہنے والے میرپوری حضرات نے جلسے سے خطابات کئے۔ شیخ نے کہا:

”انٹروگیشن کمیٹیوں اور قید خانوں میں بیٹھ کر کشمیر کے مسئلہ کا حل دریافت نہیں ہو سکا ہے۔ وزیراعظم کے ساتھ تباہی بات چیت آگے بڑھ کر ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔ اس بات چیت کے نتیجے میں جو بھی حل نکل آئے گا، وہ میں عوام کے سامنے رکھوں گا۔ آپ کو اختیار ہے کہ اسے قبول کریں یا مسترد۔ حل آپ کو منظور ہو تو ٹھیک ورنہ کوئی اور راستہ تلاش کیا جائیگا۔ اس سلسلے میں آزاد کشمیر کے عوام سے پوچھ کر انہیں بھی اعتماد میں لیا جائے گا۔ پاکستان کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اس معاملے میں ان کا مفاد بھی دیکھنا ہے کیونکہ وہی حل پائیدار ہے جس سے سارے برصغیر میں امن و امان قائم رہے۔ نئی دہلی کے ساتھ اصولوں پر کوئی سمجھوتہ



نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی یہ بات چیت اقتدار کے حصول کے لئے ہو رہی ہے۔

شیخ عبد اللہ کے صاحبزادے ڈاکٹر فاروق نے کہا کہ آزاد کشمیر کے حالیہ دورے میں، میں نے ان لوگوں کو بتایا کہ نئی دہلی کے ساتھ شیخ عبد اللہ جو بات چیت کر رہے ہیں اس میں ان کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ برطانیہ سے آئے ہوئے میرپوری حضرات نے دھمکی دی کہ اگر شیخ عبد اللہ اور دہلی کی بات چیت ناکام ہو گئی تو وہ گوریلا جنگ لڑیں گے۔ دوسرے مہمان نے وارننگ دی کہ اس صورت میں بغاوت برپا کر کے ہم ساری دنیا میں ہند اور پاکستان کو نقصان پہنچائیں گے۔ تیسرے میرپوری صاحب نے وارننگ دی کہ مذاکرات میں ناکامی کی صورت میں ہم تلوار اٹھانے پر مجبور ہوں گے پتہ نہیں ان معصوم میرپوری بھائیوں کو کیسے یقین آیا تھا کہ مرکز اور شیخ عبد اللہ کی بات چیت کا نتیجہ کشمیر کی آزادی کی صورت میں ظاہر ہوگا آخر میں اس ساری شعر و شاعری کا مقطع مرزا افضل بیگ نے یہ جملہ ادا کر کے لکھا کہ ان نوجوانوں کی تقریروں کا سنجیدہ نوٹس نہ لیا جائے، کیونکہ یہ جذباتی نوجوان ہیں۔

## رد عمل

### پاکستان کا بیان

اب جبکہ دنیا اس حقیقت سے باخبر ہو گئی کہ محاذ رائے شماری کی اعلیٰ سطح کی قیادت نے اپنے نصب العین کو بدل ڈالا ہے۔ تو ۱۰ جولائی ۱۹۷۳ء کو وزیر اعظم پاکستان اور وزیر خارجہ پاکستان دونوں نے مجوزہ اندرا، عبد اللہ بیگٹ کے خلاف اپنے اپنے بیانات جاری کر دیئے اور اکیس برس کے بعد پہلی بار پاکستان میں سرکاری سطح پر پروپیگنڈا مہم کا آغاز ہو گیا۔ ۱۲ جولائی کو ریڈیو پاکستان نے بھی شیخ عبد اللہ کے خلاف اپنا تبصرہ پڑھا۔ اس طرح محاذ کے سیاست کاروں کی طرف سے پھیلانی گئی یہ باتیں کہ سری نگر اور دہلی کے درمیان جو بات چیت چل رہی ہے، اس میں پاکستان کا مشورہ بھی شامل ہے۔ آخر کار غلط اور بے بنیاد ثابت ہو گئیں، اور لوگوں کا شک و شبہ رفع ہو گیا۔

### جلسے اور جوابی جلے

مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لئے حق خود ارادیت پر مبنی آزاد اور بے ریا رائے شماری کے موقف سے دستبردار ہو جانے کے بعد شیخ محمد عبد اللہ کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ۱۲ جولائی کو عوامی مجلس عمل کے سربراہ میر واعظ مولوی محمد فاروق نے نوہٹ سے خانیار اور ڈل گیٹ کے راستے گول باغ تک ایک بہت بڑے جلوس کی رہنمائی کی۔ جس میں تقریباً ایک لاکھ عوام نے حصہ لیا۔ گول باغ میں بھاری جلے سے خطاب کرتے ہوئے مولوی محمد فاروق نے شیخ عبد اللہ پر کڑی تنقید کی اور رائے شماری کو مسئلہ کشمیر کا مسلمہ بین الاقوامی حل قرار دیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ جب تک وکیل کو محتانہ ملتا رہا۔ وہ مقدمے کی وکالت بھی کرتا رہا۔ لیکن جب یہ محتانہ بند ہو گیا اس نے مسئلے کی وکالت کرنا بھی چھوڑ دی۔

اس تقریر کے بعد رات ڈھلنے پر شہر کے اندرونی علاقوں میں محاذ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کے حامیوں میں جھڑپیں ہوئیں۔ جن میں تقریباً ۲۵ افراد زخمی ہو گئے۔ دونوں پارٹیوں کے درمیان جھڑپوں اور پتھراؤ کے واقعات دو دن تک جاری رہے۔ جس سے شہر کا ماحول سخت کشیدہ ہو گیا۔

۱۳ جولائی کو یوم الشہداء کشمیر پر محاذ رائے شماری کے اہتمام سے مرزا افضل بیگ اور شیخ غلام محمد بھدر واہی کی قیادت میں مجاہد منزل سے مزار شہداء تک ایک زبردست جلوس نکلا۔ شیخ عبد اللہ نے مزار پر جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

”یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ہم نے رائے شماری کا موقف ترک کر دیا ہے۔ البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر رائے شماری نہیں ہو سکتی ہے تو کوئی دوسرا باعزت تصفیہ ہونا چاہئے اور اگر اس سلسلہ میں کوئی متبادل حل نکل سکتا ہے تو ہم اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ کہنا کہ پاکستان یا کوئی دوسرا کشمیر کے سوال کا فریق ہے غلامانہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے کشمیر ہمارا ہے اور ہم ہی اس کے فریق ہیں۔“

آپ نے مرحوم مولانا محمد یوسف شاہ پر سخت تنقید کی۔ سری نگر میں دو پارٹیوں کے درمیان اکا دکا تصادم جاری تھا رائے شماری کا مطالبہ کرنے والے بارہ مولہ کالج کے طلباء اور پولیس کے درمیان جھڑپیں ہوئی تھیں۔ اسی اثناء میں مرزا محمد افضل بیگ نے پارٹھا سارثی کے ساتھ ایک اور طویل ملاقات میں آئینی نکات پر گفت و شنید کرنے کے بعد اخبار نویسوں کو بتایا:

”بات چیت کھن مرحلے میں داخل ہوئی ہے، اگر رائے شماری کرنے میں مشکلات ہیں تو ہمیں قابل قبول متبادل حل نکالنا چاہئے، اور محاذ اس پر راضی ہو گا۔“

مرزا افضل بیگ نے عوامی ایکشن کمیٹی کے اس الزام کی تردید کی کہ محاذ اپنے موقف سے منحرف ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی انحراف نہیں ہوا ہے۔ بلکہ خود عوامی ایکشن کمیٹی ہی منحرف ہو گئی ہے۔ آپ نے کہا کہ شیخ عبد اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ پہلے ۵۳ء کی پوزیشن بحال کی جائے اور پھر ان قوانین کا جائزہ لیا جاسکتا ہے جو بعد میں ریاست پر لاگو کئے گئے ہیں۔ ایسے قوانین جو لوگوں کے لئے مفید ہوں ریاست کی نمائندہ اسمبلی کے ذریعے پاس ہونے کے بعد ہی نافذ کئے جاسکتے ہیں آخری تصفیہ ہونے سے پہلے پاکستان کی رائے دریافت کی جانی چاہئے بیگ نے کہا کہ عوامی ایکشن کمیٹی اور جماعت اسلامی مفاد خصوصی جماعتیں ہیں۔ کشمیر پولیس ہمارے مخالفوں کی حمایت کرتی ہے۔ اور شر کے فسادات روکنے کے لئے کوئی کارروائی نہیں کرتی۔“

دریں اثناء پاک افغان سرحد کے قریب ایک مقام پر ایک اخباری کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم پاکستان نے خبردار کیا۔

”اگر کشمیر کے بارے میں ہندوستان اور شیخ عبد اللہ کے درمیان کوئی ناپسندیدہ

فیصلہ ہوا تو پاکستان اس کا پابند نہیں ہو گا اور ایسے کسی فیصلے سے ریاست کی متنازعہ حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور نہ ہی اس سے پاکستان اپنا وہ موقف ترک کر دے گا کہ کشمیر کا سوال آزاد اور غیر جانبدار رائے شماری سے طے ہو سکتا ہے۔“

### مظاہرے اور گرفتاریاں

۲۹ جولائی کو بھی شہر کے اندرونی علاقوں میں محاذ اور عوامی ایکشن کمیٹی کے حامیوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں اور طلبہ نے شیخ عبد اللہ کے خلاف مظاہرے کئے۔ حالانکہ کالجوں کے پرنسپلوں اور پولیس والوں کے ذریعے طلباء کے والدین پر دباؤ ڈالا جاتا رہا کہ وہ اپنے بچوں کو روز روز کے مظاہروں کی سیاست سے باز رہنے پر مجبور کریں۔ ورنہ نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہیں۔ بہت سارے طلبہ گرفتار کر لئے گئے۔ ان گرفتاریوں کے خلاف اسلامیہ کالج سری نگر اور گاندھی کالج سری نگر کے طلبہ نے احتجاجی مظاہرے کئے۔

ادھر دہلی میں کشمیر کے مذاکرات پسند لیڈروں کی طرف سے مرزا بیگ نے پارٹھا سارثی اور بعد میں مسز گاندھی کے ساتھ طویل بات چیت کی۔ بعد میں مرزا بیگ نے اس بات کا انکشاف کیا کہ بات چیت آگے بڑھی ہے اور اس کی کامیابی بھی متوقع ہے۔ اس کے ساتھ ہی روزنامہ ”آفتاب“ نے لکھا کہ نئی دہلی میں بیگ پارٹھا سارثی مذاکرات ختم ہو کر آئینی مسائل طے ہو گئے ہیں اور اب وزیراعظم اور شیخ عبد اللہ کے درمیان سیاسی سوالات پر براہ راست بات چیت ہو گی۔ دوسری طرف سے ریاست کے کانگریسی وزیراعلیٰ میر قاسم نے ایک بیان میں کہا کہ مرکز اور شیخ عبد اللہ کے درمیان جو بات چیت ہو رہی ہے اس میں کوئی خفیہ معاہدہ نہیں ہو رہا ہے۔ اور اب کشمیر میں غیر یقینی صورت حال ختم ہونے کا امکان ہے۔ نیز شیخ صاحب کے ساتھ مفاہمت سود مند ثابت ہو گی۔“

### گاندربل میں مولانا مسعودی پر ہونٹنگ

۸ اگست کو گاندربل میں نماز جمعہ کے موقع پر محاذ رائے شماری کی طرف سے ایک جلسہ ہوا، شیخ محمد عبداللہ، شیخ غلام محمد بھدر واہی جنرل سیکرٹری محاذ رائے شماری اور شمیم احمد شمیم ممبر پارلیمنٹ نے جلسے میں تقریریں کیں۔ شیخ صاحب نے کہا کہ نئی دہلی کے ساتھ ہماری بات چیت جاری ہے ہم نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے، اور نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان مذاکرات کا انجام کیا ہو گا۔ البتہ آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ ہمیں کامیابی ہو گی۔ محاذ کے جنرل سیکرٹری نے کہا کہ محاذ اپنے اس موقف پر قائم ہے کہ کشمیری عوام ہی اس ریاست کی قسمت کے مالک ہیں اور وہی اس کی تقدیر کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ بعد میں شمیم احمد شمیم ایم پی اٹھے، انہوں نے مولانا مسعودی پر طنزیہ فقرے کئے اور مولانا کا موازنہ ایک ایسے شخص سے کیا جو خود تو کرکٹ کا کھلاڑی نہ ہو۔ لیکن گھر بیٹھے ریڈیو پر انگلینڈ اور جاپان میں کھیلے جانے والے میچ کی کنٹری سن کر مختلف کھلاڑیوں کے کھیل پر تنقید کرتا ہو۔ مسٹر شمیم نے کہا کہ یہ لوگ ساحل پر بیٹھ کر خیر و شر کی رزم آرائی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ مولانا مسعودی بھی نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے قریب ہی بیٹھے تھے۔ وہ یہ سب کچھ سن کر سنبھ پر آ گئے اور شیخ عبداللہ سے مسٹر شمیم کے فقروں کا جواب دینے کے لئے وقت مانگا جلسے میں محاذ کے حامیوں کی اکثریت تھی۔ انہوں نے مولانا مسعودی کے خلاف ہونٹنگ کی۔ اور شیخ عبداللہ نے مولانا کا مطالبہ مسترد کر دیا۔ اس ہنگامے کے بعد مولانا مسعودی نے اپنی رہائش گاہ پر صحافیوں کے ساتھ بات چیت کی، وہ یہ ہے:-

”میرا موقف یہ ہے کہ سب سے پہلے ۵۳ء کی پوزیشن بحال کی جائے، جب ان سے اس پوزیشن کی وضاحت کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ ۵۳ء میں تینوں پارٹیاں انڈیا پاکستان اور کشمیر اس بات پر متفق تھیں کہ رائے شماری کے ذریعے کشمیر کا فیصلہ کیا جائے اور جب تک یہ تینوں پارٹیاں کسی متبادل حل پر متفق نہیں ہو جاتی ہیں، تب تک یہ موقف برقرار رہنا چاہئے۔ اگر تینوں پارٹیوں میں صرف دو آپس میں اتفاق کر بھی لیں تب بھی یہ تنازعہ ختم نہیں ہو سکتا۔ مولانا مسعودی نے بتایا کہ شملہ معاہدہ کے تحت ہند اور پاکستان پہلے دوسرے مسائل حل کریں۔ اس کے بعد آخر کار

کشمیر پر بھی بات چیت ہو گی۔ اس میں کشمیر کے نمائندوں کو بھی شامل کیا جانا چاہئے ایک اخباری نمائندے نے مولانا سے کہا کہ شیخ صاحب کا کہنا ہے کہ مرکز کے ساتھ بات چیت کے بعد جو بھی حل نکل آئے گا اسے لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا اور ان کی منظوری حاصل کی جائے گی۔ اس پر مولانا نے طنزاً ”کہا کہ ہاں وہ حل اسی طرح لوگوں کے سامنے نہیں رکھا جانا چاہئے جس طرح آج جلسے میں میرے ساتھ بدسلوکی کی گئی“۔

جماعت اسلامی جموں و کشمیر نے بھی امدرا، عبداللہ مجوزہ معاہدے پر اپنا عندیہ پیش کیا۔ جماعت کی مجلس شوریٰ نے چار روز ریاست کی تازہ ترین سیاسی صورتحال پر بحث و مباحثہ کرنے کے بعد پریس کے نام ایک بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ کشمیری عوام کی نمائندگی کرنے کا حق کوئی فرد واحد ادا نہیں کر سکتا۔ جماعت نے مناسب نمائندگی کو نظر میں رکھنے کا مطالبہ کیا مرکزی مجلس شوریٰ نے ہندوستان اور پاکستان پر زور دیا کہ وہ ستمبر میں منعقد ہونے والی دو طرفہ بات چیت میں مسئلہ کشمیر عوام کے جذبات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔

### معاہدے کا اشارہ

۱۳ اگست کو شیخ محمد عبداللہ نے لدان اور جموں کے نمائندوں کے ایک سہ روزہ کنفرنس کے اختتام پر ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ مرکز کے ساتھ ہماری بات چیت آخری مرحلے میں داخل ہو گئی ہے اور بیگ پارٹیاں سارے مذاکرات بھی قریب الاختتام ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ستمبر کے آخر یا اکتوبر کے شروع میں تصفیہ کا اعلان کر دیا جائے گا۔ سیاسی تبدیلیاں کئی طرح سے لائی جاسکتی ہیں۔ درمیانی مدت کا انتخاب ہو یا صدر راج کا نفاذ، یہ ضروری نہیں کہ پارٹی بنیادوں پر ہی حکومت بنائی جائے، بلکہ انفرادی طور پر یا مل جل کر ہر شخص، ہر طبقے اور ہر حلقے کے تعاون سے حکومت بنائی جاسکتی ہے۔“

اسی دن نوہٹ چوک میں ”شیر کشمیر چوک“ کے نام سے ایک بورڈ آویزاں کرنے کی کوشش کرنے کے دوران محاذ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کے رہنماؤں کے درمیان ایک تصادم ہوا۔ یہ کشیدگی سارے اندرونی علاقے میں پھیل گئی، ایک سو افراد زخمی اور لگ بھگ ۵۰ افراد گرفتار کر لئے گئے۔

پاکستان سے مذاکرات کا وعدہ

۱۹ اگست کو شیخ عبداللہ نے اسلام آباد چوک میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

”نئی دہلی کے ساتھ بات چیت کے بعد پاکستان سے بھی بات چیت کی جائے گی، تاکہ آزاد کشمیر کے مستقبل کا سوال بھی طے کر دیا جائے۔ ہر بات مرحلہ وار ہو گی۔ لیکن ہم کسی قسم کی سودا بازی نہیں کریں گے۔ ہم ہر ایک معاملہ اور فیصلہ عوام کے سامنے رکھیں گے۔ اگر انہیں منظور ہو تو ہم آگے بڑھیں گے۔ عوام کی مرضی کے خلاف یا ان کی منظوری حاصل کئے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔“

اسلام آباد میں طلباء کے مظاہرے

سیرکانہ گڈ میں شیخ محمد عبداللہ نے اس بات کو پھر دہرایا کہ نئی دہلی سے بات چیت کا حاصل اور حل عوام کے سامنے پیش کیا جائے گا، پھر عوام ہی اس کو منظور یا مسترد کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اسلام آباد پتھنپے پر ڈگری کالج کے طلباء نے شیخ عبداللہ کے خلاف زبردست مظاہرے کئے۔ جن میں ”پاکستان زندہ باد“ کے نعرے بلند کئے گئے۔ پولیس نے ان طلبہ کے خلاف ڈنڈے اور اشک آور گیس کے گولے پھینکے اور طلباء نے پتھروں کے ساتھ جوابی حملہ کیا۔ فریقین زخمی ہو گئے اور ۲۵ نوجوان گرفتار کر لئے گئے۔

عوام سے رائے لی جائے گی

۳۱ اگست کو ایک اخباری اطلاع میں بتایا گیا کہ شیخ مرکز مذاکرات ایک نازک اور فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ گورنر جہا اور وزیر اعلیٰ میر قاسم دونوں کو مسز گاندھی نے نئی دہلی طلب کیا، اور بدھ وار کو وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کی صدارت میں ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ جس میں ریاستی گورنر مسٹر جہا اور میر قاسم شریک ہوئے روزنامہ ”اسٹیشن“ کی روایت کے مطابق ابھی بیگ پار تھا سار تھی بات چیت کے تصفیہ طلب امور میں ریاست کے لئے گورنر کی تقرری کا طریقہ کار اور گورنر اور وزیر اعلیٰ کو صدر ریاست اور وزیراعظم ریاست سے دوبارہ موسوم کرنے اور مالی ادغام کے مسائل شامل تھے۔ نیز ۵۳ء کی پوزیشن بحال کرنے پر مرکز آمادہ نہیں ہے۔ دریں اثناء ۲۳ اگست کو شیخ عبداللہ نے ایک اخباری انٹرویو میں مذہر

روزنامہ ”آفتاب“ کو بتایا کہ ۸ اگست ۵۳ء کی پوزیشن بحال کرنے کے بعد ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر ہم ایک عبوری حکومت قائم کر کے سب سے پہلے آزادانہ انتخابات کرائیں گے۔“

ادھر کرگل میں ایک جلسہ عام میں شیخ محمد عبداللہ نے اپنا وہ عہد پھر دہرایا کہ نئی دہلی کے ساتھ مذاکرات کی کامیابی کے بعد لوگوں سے رائے لی جائے گی، اور عوام کی منظوری حاصل کرنے کے بعد ہی ہم اسے منظور کریں گے۔ اسی اثناء میں شیخ اندرا مذاکرات میں تعطل پیدا ہو جانے کی خبریں گشت کرنے لگیں کہ وزیر اعلیٰ میر قاسم نے ۴ ستمبر کو اپنی قیام گاہ پر ایک اخباری کانفرنس میں ان خبروں کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا اور کہا کہ مستقبل میں ضرورت پڑی تو محفل اور کانفرنس کی جلی جلی وزارت کا قیام خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مرزا بیگ کا الہام

۱۳ ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ نے بانڈی پورہ جا کر ایک جلسہ عام کو بتایا کہ ہم اپنے موقف پر قائم ہیں۔ اس وقت بات چیت ہو رہی ہے۔ اور ہم نے واضح کر دیا ہے کہ ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال کی گئی تو ایک بنیاد قائم ہو سکتی ہے۔ اسی روز مرزا افضل بیگ پر مجاہد منزل میں محاذ رائے شماری کے کارکنوں کے ایک اجلاس میں یہ الہام ہوا:

”اب راولپنڈی کا راستہ سالوں میں نہیں، مہینوں میں کھلے گا۔ میں نے وزیراعظم بھٹو اور وزیر خارجہ عزیز احمد کی تقریریں سنی ہیں۔ وقت آنے پر ان کے ساتھ دوبارہ بات چیت کروں گا۔“

پریس کلب آف انڈیا سے خطاب

دوسرے روز شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ دونوں نئی دہلی چلے گئے۔ جہاں شیخ عبداللہ نے وزیراعظم مسز گاندھی اور صدر فخر الدین علی احمد سے ملاقاتیں کیں، اور مرزا بیگ نے چار مرتبہ مسٹر پارٹھا سار تھی سے گفت و شنید کی۔ ۱۸ ستمبر کو نئی دہلی پریس کلب آف انڈیا سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

”مرکز کے ساتھ اس وقت تک کوئی بھی سمجھوتہ خارج از امکان ہے جب

تک وہ اس ریاست میں ایک نئی اسمبلی کے قیام کے لئے چناؤ نہیں کرواتا۔ کشمیر میں نئے انتخابات عمل میں لانے کی صورت میں ہی مرکز اور ریاست کے درمیان اس اعتماد کو بحال کیا جاسکتا ہے، جو ۱۹۵۳ء سے پہلے موجود تھا۔ مذاکرات کا موجودہ دور ابھی تک اس مرحلہ پر نہیں آ پہنچا ہے جہاں پہنچ کر فریقین میں سمجھوتہ ہو سکتا ہو۔ جموں و کشمیر کی نئی اسمبلی ہی، جب اسے منتخب کر لیا جائے گا، ان قوانین کی چھان بین کرے گی، جو ۱۹۵۳ء کے بعد ریاست پر نافذ کئے گئے تھے۔ میرے نمائندے مرزا افضل بیگ اور وزیراعظم کے نمائندے مسٹر پارٹھا سارثی کے درمیان ۵۳ء کے بعد ریاست پر نافذ کئے گئے قوانین کے بارے میں جو تبادلہ خیال ہو رہا ہے۔ وہ پرائیویٹ نوعیت کا ہے، اس سلسلہ میں جو بھی کوئی سمجھوتہ ہو گا اس کی توثیق ریاست کی نئی منتخب شدہ اسمبلی کے ذریعے کرانی ہو گی۔ اسمبلی کے لئے آزادانہ اور منصفانہ چناؤ کئے جائیں۔ ہر اس شخص کو جو چناؤ لڑنے کا خواہش مند ہو، امیدوار بن کر لڑنے کی آزادی ہونی چاہئے، اور ان انتخابات کی نگرانی کرنے کے لئے ایسے غیر جانب دار مبصر تعینات کئے جاسکتے ہیں، جن کی شخصیت بے داغ اور ایمانداری مسلمہ ہو۔ ۵۳ء کی پوزیشن سب سے پہلے بحال ہونی چاہئے (جیلے پر زور ڈالا) تب جا کر میں ایڈمنسٹریشن کی قیادت اپنے ہاتھ میں لینے کی بات سوچوں گا۔ اگر میں وزیراعلیٰ بنا تو پہلا کام جو انجام دوں گا وہ یہ ہو گا کہ ان لوگوں سے جنہوں نے اس مدت میں (میری غیر حاضری میں) بڑے پیمانے پر دولت حاصل کی ہے، پوچھا جائے گا کہ وہ اپنی آمدنی کے ذرائع کی وضاحت کریں۔ وہ یہ بتائیں کہ انہوں نے یہ دولت کہاں سے حاصل کی ہے۔ اگر ایڈمنسٹریشن پر لوگوں کے اعتماد کو بحال کرنا ہے تو ایسے لوگوں کو پھانسی ملنی چاہئے، جنہوں نے لوٹ کھسوٹ کر کے غریب عوام کا حق مارا ہے۔

شیخ عبداللہ نے آگے چل کر کہا:

”الحاق ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ کشمیر میں جو نئی اسمبلی بنے گی۔ وہ اس سوال کو نہیں اٹھائے گی۔ میں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ کیونکہ میں اس کی جمہوریت اور سیکولرازم کے عقیدوں کی قدر کرتا ہوں۔“

آپ نے مرکز (ہندوستان) سے کہا کہ:

”ہم آپ تک خون کے دریا پار کر کے پہنچے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ہم پر اعتبار نہ کریں۔“

انہوں نے کہا:

”مرکز کے ساتھ مفاہمت ہو جانے کے بعد آزاد کشمیر کا مسئلہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ ایک متحدہ محاذ بنا کر ان کا مستقبل متعین کیا جاسکتا ہے۔ میرے ذہن میں اس وقت آزاد کشمیر کے بارے میں کئی حل ہیں۔ لیکن اس وقت یہ کہنا قبل از وقت ہے۔“

اس پریس کانفرنس میں شیخ صاحب نے نیشنل کانفرنس کے احیائے نو کی طرف بھی اشارہ کیا۔

شیخ محمد عبداللہ نے کلکتہ کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

”حکومت ہند کے ساتھ میری بات چیت مکمل ہو چکی ہے میرے اور حکومت کے درمیان جو سمجھوتہ ہو گا، اس پر ایک ریفرنڈم کے ذریعے عوام کی رائے لی جاسکتی ہے۔ اگر لوگوں کو مجوزہ حل قبول ہو تو وہ اس کے حق میں رائے دے کر اپنی خواہش کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے انتخابات بھی ہو سکتے ہیں۔ رائے شماری واحد حل نہیں ہے۔ اسی طرح خود مختار کشمیر کے تصور پر ہمیں پہلے سوچنا ہو گا کہ آیا ہم آزاد رہ سکتے ہیں؟“

دہلی میں پانچ روز تک قیام کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ واپس سری نگر لوٹ آئے۔ دوسرے روز یہاں ایک اخبار کے ساتھ ملاقات میں انہوں نے بتایا کہ مسائل اس قدر آسان نہیں کہ انہیں ایک یا دو ملاقاتوں میں حل کیا جائے۔ ہمیں اقتدار کی ہوس نہیں ہم اپنے اصولوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔

دوسری طرف سے مرزا افضل بیگ نے مذاکرات پر ایک محتاط تبصرہ کیا اور کہا کہ نئی دہلی میں ہماری بات چیت جاری ہے، اس میں تھقل نہیں ہے۔ صرف میری صحت کی خرابی تھقل کا سبب ہے۔“

مذاکرات میں بہ ظاہر ستمبر ۱۹۷۴ء سے جو تھقل پیدا ہو گیا تھا۔ محاذ رائے شماری کے حلقے اس صورت حال سے سخت تشویش میں مبتلا تھے لیکن شیخ محمد عبداللہ یا مرزا محمد افضل بیگ میں سے کسی نے اس قسم کے تھقل کا کوئی تاثر نہیں دیا۔ اندازہ ہے کہ مذاکرات میں نئی روح پھونکنے کے لئے اور کشمیری لیڈروں کی دل تلی کے لئے وزیراعظم مسز اندر راگاندھی ۲۹ اکتوبر کو کشمیر کے دو روزہ دورے پر نئی دہلی سے سری نگر اسی جہاز میں پہنچ گئیں، جس جہاز میں خود شیخ محمد عبداللہ بھی سوار تھے۔ دونوں

رہنماؤں نے اس مشترکہ ہوائی سفر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کی۔ بعد میں مسز گاندھی نے مسٹر پارٹھا سار تھی کو پیرس سے طلب کر لیا، اور وہ مرزا بیگ کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لئے ۲۷ نومبر ۱۹۷۳ء کو سری نگر پہنچ گئے۔ اسی روز آپ نے اوپرائے ہٹل میں مسٹر بیگ کے ساتھ دو گھنٹے تک بات چیت کی جسے اخبارات نے اہم قرار دیا بلکہ اس بات چیت کو کشمیر کے لئے داخلی خود مختاری کے حصول کی بات چیت قرار دے کر محاذ والوں میں خوشی کی لہر پیدا کر دی۔

## معاہدہ ہو گیا!

اگر ایک طرف سے نوجوان فکر مند تھے کہ اندرا، عبداللہ معاہدہ کی پیدائش قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے تو دوسری طرف سے پاکستان بھی نئی صورتحال کو تشویش کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وزیراعظم پاکستان نے ۶ نومبر ۱۹۷۳ء کو احمد پور شرقیہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

”حکومت ہند اور شیخ عبداللہ کے درمیان کشمیر کے بارے میں جو فارمولا تیار ہو رہا ہے، وہ اس وقت تک کارگر نہیں ہوگا، جب تک نہ پاکستان کو منظور ہو۔ شیخ محمد عبداللہ نے جلد از جلد کشمیر کا تصفیہ نہ ہونے کی صورت میں انقلاب برپا کرنے کی جو دھمکی دی ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق مسئلہ کشمیر کو حل کرانا چاہتے ہیں۔“

(بحوالہ ریڈیو پاکستان)

۱۰ نومبر کو پارٹھا سار تھی کے ساتھ اہم مذاکرات کرنے کے لئے نئی دہلی روانہ ہونے سے قبل مرزا محمد افضل بیگ نے بتایا:

”مسٹر پارٹھا سار تھی سے میری بات چیت کا یہ نازک ترین اور آخری دور ہو گا۔ میرے خیال میں اس بات چیت میں سمجھوتے کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔“

۱۳ نومبر ۱۹۷۳ء کو مرزا بیگ نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ وہ:

”گزشتہ ڈیڑھ دو برس سے مسٹر پارٹھا سار تھی کے ساتھ میری جو بات چیت چل رہی تھی، وہ اب ختم ہو گئی ہے نتائج سے وزیراعظم اور شیخ صاحب کو آگاہ کیا جا رہا ہے۔“

اسی روز مجاہد منزل سری نگر کے ایک اعلانیہ میں بتایا گیا ہے کہ بیگ صاحب نے نئی دہلی میں مسٹر پارٹھا سار تھی کے ساتھ بات چیت پایہ تکمیل تک پہنچادی ہے۔ اس دورے میں بیگ صاحب نے مسز اندرا گاندھی کے ساتھ بھی ملاقات کی۔ اگرچہ

ابھی معاہدے کا باقاعدہ رسمی طور پر اعلان نہیں کیا گیا۔ تاہم سرینگر کے روزنامے ”آفتاب“ نے ۱۵ نومبر کے شمارے میں یہ اطلاع دی کہ بیگ پارتھا سار تھی مذاکرات میں سمجھوتہ ہو گیا ہے۔

اسی روز مجاہد منزل سے شیخ محمد عبداللہ کے ٹیڈال اورنگ ڈار کے جلسوں کے بارے میں محاذ رائے شماری کا ایک پریس نوٹ منظر عام پر آگیا انہوں نے کہا تھا۔  
”اگر کشمیر کے پیچیدہ مسئلے کا حل نکل آئے، تو وہ منظوری کے لئے لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا، جب کوئی راستہ نکل آئے گا۔ تو ہم پاکستان کے ساتھ بھی بات چیت کریں گے۔ کوئی بھی فیصلہ اس وقت تک دائمی نہیں ہو سکتا جب تک نہ پاکستان بھی اس پر راضی ہو۔“

۱۵ نومبر کو شیخ محمد عبداللہ نے چار شریف میں شیخ نورالدین کی زیارت گاہ پر تقریر کرتے ہوئے پھر دہرایا کہ۔

”کشمیر کے بارے میں ہند کے ساتھ باعزت سمجھوتہ ہو جانے سے ہمارا کام ختم نہیں ہو گا بلکہ ہم وزیراعظم پاکستان مسٹر بھٹو کے ساتھ بھی بات چیت کریں گے۔ کیونکہ جب تک پاکستان بھی ان سارے معاملات میں شریک نہیں ہو گا کشمیر کا مسئلہ حتمی صورت میں حل نہیں ہو گا۔“

شیخ محمد عبداللہ نے یہ بیانات کشمیر کے خاص حالات اور کشمیریوں کے مزاج کو سامنے رکھ کر ہی دیئے تھے۔ لیکن نئی دہلی کو ان کے یہ بیانات پسند نہ تھے۔ چنانچہ محاذ کے جنرل سیکرٹری شیخ غلام محمد بھدروانی نے مجاہد منزل سے اخبارات کے لئے مندرجہ ذیل پریس نوٹ جاری کیا:

”شیخ صاحب کی طرف سے حالیہ دورہ میں کی گئی تقریروں کو بعض اخبارات نے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، کہیں ان سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ کشمیر کے تعینہ میں پاکستان کی تائید شرط اول ہے اور کہیں یہ کہا گیا ہے کہ شیخ صاحب پاکستان کی منظوری حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ صاحب نے کہا کہ جب ہند کے ساتھ سیاسی مذاکرات خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہو گئے۔ اور فیصلہ قابل قبول ہو گا تو اس فیصلہ سے پاکستان کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ کشمیر کا تنازعہ پرامن طریقے سے حل ہو جائے امن کی تلاش کا تقاضہ ہے کہ ہم صدق دلانہ کوشش کریں تاکہ پاکستان مطمئن ہو جائے کہ موجودہ حالات میں مشکلات کے پیش نظر ہند کے ساتھ کیا ہوا فیصلہ ممکن

العمل ہے۔ اس بارے میں پاکستان کی رائے حاصل کرنا ضروری ہے۔“  
معاہدہ دہلی پر ۱۳ نومبر ۱۹۷۴ء کو مرزا افضل بیگ اور مسٹر پارتھا سار تھی کی طرف سے دستخط ہو جانے کے باوجود کوئی اعلان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اسی میں بہت ساری مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ اسی لئے محاذ کے لیڈر اب بھی زبان سے ”مسئلہ کشمیر“ کے نام کو ایکسپلاٹ کرتے تھے۔ مثلاً ۲۹ نومبر کو مرزا محمد افضل بیگ نے اوڑی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

”کشمیر کا مسئلہ اب بھی زندہ ہے۔ بلکہ اب حل ہونے کو ہے اس کی بڑی وجہ کشمیر کی آواز ہے۔ شیخ صاحب نے کہا ہے کہ ہند کے ساتھ ہونے والی بات چیت کا جو بھی حل نکل آئے گا اسے لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا۔ اسے منظور کرنا یا مسترد کرنا لوگوں کا کام ہے۔“

پتھر مسجد سری نگر میں عید الاضحیٰ کی مقدس تقریب پر شیخ محمد عبداللہ نے پاکستان کو مسئلہ کشمیر کا فریق قرار دیتے ہوئے جو کچھ کہا اسے غور سے پڑھیے، حالانکہ معاہدہ دہلی ہوا تھا۔

”وزیراعظم پاکستان نے تو ٹھیک ہی کہا ہے کہ کشمیر کرمس کا کوئی یک نہیں ہے، جسے ہند اور پاکستان بانٹ کر کھائیں بلکہ یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ اس مسئلے کا دائمی حل وہی ہو گا، جو تینوں فریقوں کے لئے قابل قبول ہو گا۔ نئی دہلی سے بات چیت جاری ہے۔ اس بات چیت کا مقصد اقتدار حاصل کرنا نہیں اور نہ مجھے اقتدار کی خواہش ہے۔ میرے سامنے کچھ اصول اور مقاصد ہیں جن کے لئے میں جدوجہد کرتا ہوں۔“

### خود مختار کشمیر پر ڈاکٹر فاروق کے خیالات

ان دنوں کا ایک دل چسپ واقعہ یہ ہے کہ شیخ عبداللہ کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ آزاد کشمیر کے دورے سے لوٹے، جہاں انہوں نے پاکستانی اور آزاد کشمیری لیڈروں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ شیخ صاحب اپنی قوم سے غداری کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ ڈاکٹر فاروق کے بارے میں بتایا گیا کہ انہوں نے اپنے دورہ پاکستان میں خود مختار کشمیر کے تصور کی پرزور وکالت کی۔ اور اخبار ”جہاں“ کو ایک انٹرویو دیا۔ ڈاکٹر فاروق سے پوچھا گیا کہ کچھ مدت سے اس قسم کی خبریں آرہی ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ

نے بھارت کی بالادستی تسلیم کر لی ہے۔ اور اب وہ بھارتی آئین کے تحت کشمیر کا حل تلاش کر رہے ہیں۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ محض الزام ہے اور اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ وزیراعظم تھے جب انہیں پتہ چلا کہ بھارت کشمیر کے عوام کے حق خودارادیت سے منحرف ہو رہا ہے اور کشمیر کی مخصوص حیثیت ختم کرنے کے درپے ہے تو انہوں نے نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس کی مخالفت کی جس کی پاداش میں انہیں نہ صرف اقتدار سے الگ ہونا پڑا بلکہ طویل قید و بند کی صعوبتیں بھی ان کا مقدر بن گئیں۔ اور ہر قسم کے مصائب و مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ لیکن مشکل سے مشکل حالات میں بھی وہ ریاست کی آزادی اور حق خودارادیت کے مطالبے سے دست بردار ہونے پر تیار نہ ہوئے اب جبکہ ان کی عمر کا پیمانہ لبریز ہے اور وہ جانتے ہیں کہ زندگی کی چند ساعتوں کے بعد انہیں سب سے بڑی حقیقت کا سامنا کرنا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ساری عمر کی جدوجہد پر پانی پھیر کر اپنی قوم سے غداری کے مرتکب ہوں گے۔ ایک خود مختار کشمیر کے تصور کا ذکر کرتے ہوئے فاروق عبداللہ نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کا یہ بھی ایک آبرو مندانہ حل ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کو جو کہ ۸۳ ہزار مربع میل پر مشتمل ہے تقریباً ۷۰ لاکھ نفوس کی آبادی کا ملک ہے۔ آزاد اور خود مختار قرار دیا جائے۔ دوسری جنگ عظیم میں جب نازی جرمنی نے دنیا کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا تھا، تو سوئزر لینڈ تب بھی آزاد رہا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانہ میں سوئزر لینڈ عالمی سازشوں کا اکھاڑہ بن گیا تھا لیکن وہ وقتی کیفیت تھی۔ سوئزر لینڈ آج بھی آزاد اور خود مختار ریاست ہے۔ یہی نہیں بلکہ آج دنیا میں قیام امن کے لئے اہم فیصلے جنیوا میں ہوتے ہیں۔ اگر کشمیر بھی ایک دوسرا سوئزر لینڈ بن جائے تو اس میں نقصان کا کون سا پہلو ہے؟ بلکہ یہ علاقہ پڑوسی ممالک پاکستان، بھارت، چین اور روس کے درمیان غلط فہمیاں دور کرانے اور طاقت کا توازن قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس کے خوب صورت قدرتی مناظر اور شگاف پانی سے بریز جھیلیں دلوں کی کدورتیں دھو ڈالیں گی۔ اگر ریاست جموں و کشمیر کی آزادانہ اور خود مختارانہ حیثیت پر اتفاق رائے ہو جائے تو اس کو اقوام متحدہ کا رکن بن جانے کی وجہ سے تحفظ میسر آ سکتا ہے اور اس کی سالمیت کی ضمانت اوارہ اقوام متحدہ اور اس کے رکن ممالک دیں گے۔“

## عوامی انقلابی محاذ

محاذ رائے شماری کی اعلیٰ سطحی قیادت کو مرکزی حکمرانوں کی سرد مہری نے سخت مایوس کر دیا تھا۔ ساتھ ہی انہیں یہ خدشہ بھی تھا کہ معاہدے کے بعد نوجوانوں کا رد عمل بڑا ہی ڈراؤنا ہو گا اس لئے وہ چاہتے تھے کہ الفتح کیس میں ملوث بعض نوجوانوں کے ذریعے ایک طفیلی تنظیم وجود میں لائیں۔ اس امید کے ساتھ کہ مرکزی حکمران یہ محسوس کر لیں کہ محاذ کی قیادت میں اس قدر طاقت ہے کہ وہ کشمیر کے تشدد پسند نوجوانوں کو عدم تشدد کے مسلک پر گامزن کرا سکتی ہے اور محاذ کے ساتھ جلد از جلد کوئی معاہدہ طے نہ کیا گیا تو وہ اپنے ”دہشت پسند“ متاثرین کی پیٹھ ٹھونک کر مرکز کے لئے مصیبت اور بدنامی بھی لاسکتا ہے۔ دوم اس فائدے کی امید میں کہ مرکز کے ساتھ معاہدہ طے ہو جانے کے بعد نوجوانوں کا یہ گروہ ”الفتح“ کی لیبل کے باعث اور بھی کئی طالب علموں اور نوجوانوں کو اپنے ساتھ باندھ سکے گا۔ اس طرح معاہدے کے مخالفین پر دہشت بھی طاری ہو گی مرزا محمد افضل بیگ پہلے ہی مکڑ مکڑی کا جالا کھینچنے کے عادی ہیں چنانچہ انہوں نے ۱۹۶۸ء سے نوجوانوں اور طالب علموں کے ساتھ راہ و رسم بڑھا کر کئی قسم کے ناپائیدار گوشے تعمیر کئے ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں جب میں احتیاطی نظر بندی ایکٹ کی رو سے سری نگر کے سنٹرل جیل میں اپنی نظر بندی کے طویل شب و روز گزار رہا تھا، مرزا افضل بیگ ہماری رٹ درخواستوں میں وکیل استغاثہ تھے اور وہ اس دور میں سنٹرل جیل آ کر ہمارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایک روز سنٹرل جیل کے دفتر میں انہوں نے ہمیں انورہ دیا کہ طلبہ کی مختلف تنظیموں کو اپنے مشترکہ مسائل کے لئے متحد ہو جانا چاہیے۔ اور میں مشورہ کے لئے اپنی خدمات وقف رکھوں گا۔ لیکن آپ اپنے معاملات کے فیصلوں میں خود مختار ہوں گے۔ پھر بیگ صاحب کے ساتھ میرے کئی سوالات و جوابات ہوئے جو میں نے اسی روز اپنی جیل ڈائری میں ریکارڈ کر ڈالے ہیں۔ اس وقت سے لے کر آج تک بیگ صاحب کئی سٹوڈنٹ تنظیموں کو بناتے، پالتے اور بگاڑتے آئے ہیں۔ الفتح کیس میں ماخوذ بعض



نوجوانوں پر مرزا محمد افضل بیگ کا ذاتی اثر و نفوذ قائم ہو گیا تھا، کیونکہ وہ مقدمہ میں ان کی طرف سے وکیل صفائی تھے۔ بہر کیف ۱۹۷۴ء میں اندرا عبد اللہ معاہدے کے لئے اسٹیج کی تیاریوں کا آخری اور نازک مرحلہ قریب تر آ گیا۔ مرزا افضل بیگ نے الفتح کیس کے ایک دھڑے کو الگ کر کے عوامی انقلابی محاذ کے قیام کا اعلان کرایا اور غلام رسول زہگیر کو اس کا صدر بنایا۔ انہوں نے مرزا محمد افضل بیگ کی موجودگی میں لال چوک میں اپنے دفتر پر نئی پارٹی کی تشکیل کا اعلان کیا، اور ایک اخباری کانفرنس میں ۱۹۷۷ء کی پوزیشن بحال کرنے اور سری نگر راولپنڈی شاہراہ کھولنے کے مطالبات کئے۔ آپ کے اخباری بیان کا خلاصہ اور تتمہ مرکز اور شیخ محمد عبد اللہ کے درمیان ہونے والے مذاکرات کی حمایت اور نیک تمناؤں میں ظاہر ہو گیا۔ عوامی انقلابی محاذ کے قیام سے محاذ رائے شماری کو اندرا، عبد اللہ مجوزہ معاہدے کی تبلیغ اور ترجمانی کے لئے نوجوانوں کا ایک بازو مل گیا۔ عوامی انقلابی محاذ۔۔۔۔۔ اپنے نام کی کشش کی وجہ سے کچھ عرصہ تک کشمیر کے نوجوانوں کو متاثر کرنے میں کامیاب رہا لیکن اس پارٹی کے سرکردہ نوجوان ایک بہت بڑے تضاد کا شکار بھی رہے۔ جو اس تنظیم کے لئے آخر کار جان لیوا ثابت ہو گیا۔ ایک طرف سے ان کا کہنا تھا کہ وہ ریاست جموں و کشمیر کی ایک خود مختار مملکت قائم کرنے کے حق میں ہیں، دوسری طرف سے یہ لوگ عملاً "ہندوستان کے ساتھ اس کے آئینی دائرے کے اندر اندر ہونے والے مذاکرات اور مجوزہ معاہدے کی کامیابی کی کوششوں میں نوجوانوں کی صف بندی میں بھی مصروف تھے۔ ایک طرف سے آزاد کشمیر کو پاکستان سے الگ کرنے کی دھمکیاں بھی دی جاتی تھیں۔ دوسری طرف سے کشمیر کے ایک حصہ پر مملکت ہند کی بالادستی بھی تسلیم کی گئی تھی۔ افسوس کہ محاذ کی قیادت نے حصول اقتدار کی خاطر بھولے بھالے نوجوانوں کو بھٹکا کر غلط منزل کی طرف لیا اور ان کی صلاحیتیں اور توانائیاں ضائع کر دیں فارسی زبان کے ایک نکتہ رس کا یہ شعر ان ہی لوگوں پر صادق آتا ہے:

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی  
کس راہ کہ تو سے روی بہ ترکستان است

جوں جوں اندرا، عبد اللہ معاہدہ کی تیاری اور اقتدار کی بحالی کے دن قریب تر

آتے گئے عوامی انقلابی محاذ میں بھی بہت سارے لوگوں کا داخلہ نوکریوں اور روپے پیسے کے حصول کی خاطر تیز تر ہوتا گیا اندرا، عبد اللہ معاہدہ کے اعلان کے بعد اور شیخ عبد اللہ کے اقتدار کی بحالی کے کچھ عرصہ بعد محاذ رائے شماری کے لیڈروں نے اپنے نوجوان بازو عوامی انقلابی محاذ کی طرف سر دھری اور بے رخی برتنی شروع کی۔ کیونکہ محاذ کے لیڈروں اور دیرینہ کارکنوں کو ڈر تھا کہ اگر اس نوجوان بازو کی طرف پیار اور محبت کا وہی پرانا مظاہرہ برقرار رکھا گیا تو یہ بچے کرسیوں کی تقسیم میں شریک ہو کر ان میں سے بہتوں کی "حق ماری" کا سبب بن جائیں گے۔ ان نوجوانوں کو جن اغراض کے لئے استعمال کرنا مقصود تھا، اب تو وہ حاصل ہو گئے تھے۔ اس لئے اب اس تنظیم کو ٹھوکریں مار کر یوتھ نیشنل کانفرنس کے نام سے ایک اور تماشہ اور کھلونا پارٹی کے جس بورڈ پر نمائش کے لئے لایا گیا، لیکن یہ نمائش بھی زیادہ دیر تک چل نہ سکی، اور بہت جلد ٹوٹ کر اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اب یوتھ فیڈریشن نے نیشنل کانفرنس کے نوجوان بازو کی سرداری سنبھالی۔ لیکن یہ تنظیم اپنے اور اپنے بزرگوں کے سوداگرانہ اور الیکشن اغراض کے بغیر اور کسی بلند تر اور ایمان دارانہ مقصد حیات کے لئے کام کرنے کے جذبہ سے محروم ہے۔ کیونکہ خود اس کی آبائی تنظیم نیشنل کانفرنس حکمرانی کا کوئی ششہ اور ایمان دارانہ نمونہ پیش نہیں کر سکی ہے۔ بلکہ فاسد اور غلیظ نالیوں میں خطرناک اضافہ کر چکی ہے۔ ڈاکٹر فاروق نے پارٹی کی صدارت سنبھالنے کے بعد اسی سال فیڈریشن کو واپس تنظیم میں مدغم کر کے یوتھ ونگ نیشنل کانفرنس کے نام سے ایک اکائی بنائی جس کا کنٹرول پارٹی کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔

## پیپلز لیگ کا قیام

۱۹۷۳ء میں شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کی طرف سے روز روز کے بیانات، کہ کشمیر فقط ایک گھریلو آئینی سوال ہے پاکستان اس کا کوئی فریق نہیں ہے، اور اصل مسئلہ کا حل یہ ہے کہ مرکز اور ریاست کے درمیان وہ اعتماد دوبارہ بحال کیا جائے جس کو ۱۹۵۳ء میں گرایا گیا تھا، سے ایک چیلنج آور صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ اب محاذ کے لیڈروں کی نظر میں کشمیر یکایک آزاد ہو گیا تھا۔ صرف آزاد کشمیر کا سولہابی تھا، جس کو ”آزاد“ کرانے کے لئے محاذ رائے شماری والے مانگ کر رہے تھے۔ اہل کشمیر محاذ رائے شماری کے انحراف کو دیکھ کر سخت مایوس ہو رہے تھے۔ لیکن حریت پسندی کا سیاسی شعور رکھنے والے لوگ نئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان عمل میں آنے کے لئے بے قرار تھے۔ ٹھیک ان ہی حالات میں طلباء اور نوجوانوں کی چند تنظیمیں یوتھ لیگ، یگ مینس لیگ، سٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن اور الفتح کے چند وابستگان سری نگر میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ یہ سب ہی گروپ اس بات پر آپس میں متفق تھے کہ رائے شماری کے بارے میں اقوام متحدہ کی منظور شدہ قراردادوں اور ہندوپاکستان کی حکومتوں کے مواعید کی بنیاد پر کشمیری عوام کے لئے حق خود ارادیت کے حصول کی جدوجہد جاری رکھنے کا عزم بالجزم کیا جائے۔ ان مذاکرات کے بعد یکم اکتوبر ۱۹۷۳ء کو جموں و کشمیر پیپلز لیگ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

پیپلز لیگ نے اسی موقف کو برقرار رکھا، جس سے شیخ محمد عبداللہ اور ان کے حواری منحرف ہو گئے تھے۔ اور پاکستان کے بارے میں اس امر کا اعادہ کیا کہ وہ کشمیر کے سوال کا ایک فریق ہے۔ لیگ نے نوجوانوں اور طالب علموں سے اپیل کی کہ وہ حق خود ارادیت کے حصول کی جدوجہد کو بامعنی، موثر اور پرسوز بنانے کے لئے روح اسلامی سے فیضان حاصل کرتے رہیں، اور پرچم لیگ کے سائے میں ان سب درد مندوں کی صف بندی کریں جو اہل کشمیر کے حق خود ارادیت اور دین و سیاست کے ایک ہونے پر ایمان رکھتے ہوں۔

جناب فضل حق قریشی لیگ کے بانی چیئرمین منتخب ہو گئے لیکن جلد ہی جناب نذیر احمد وانی اس عہدے پر فائز ہو گئے۔ جن دوسرے نوجوانوں نے اس تنظیم کی بنا استوار کرنے میں مرکزی و بنیادی رول ادا کیا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں: جناب محمد مصدق عادل، جناب اسلم وانی، ڈاکٹر فاروق احمد بٹ، جناب عبدالمجید پٹھان، جناب محمد اعظم انقلابی۔ جناب الیس حمید اور جناب حمید اللہ بٹ۔۔۔۔۔ طالبات کے ایک گروپ نے بھی اس کی آواز پر لبیک کہی تھی۔

لیکن اسلامی نظریاتی حصار کی بنیاد پر پارٹی کی تعمیر و تشکیل کا جو فیصلہ ابتدا میں کیا گیا تھا وہ عمل میں نہ لایا گیا اس طرح پارٹی کی پہلی صفوں میں غیر نظریاتی، غیر پختہ اور نا تجربہ کار عناصر بھی آسانی سے داخل ہو گئے، جو کام کے بجائے مقام کی تلاش میں فکر مند رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تنظیم میں منافقوں اور اسلام و حق خود ارادیت کے دشمنوں نے اپنا جال پھیلا دیا اور تنظیم بحران میں گرفتار ہو گئی۔ اس وقت تنظیم سازی کا جو ڈھنگ اختیار کیا گیا، یہ اسی کے کانٹے ہیں۔ جو ابھی تک پیپلز لیگ کے پاؤں میں پیوست ہیں۔ اس کے علاوہ انہی ایام میں پیپلز لیگ نے معروف و مسلم جمہوری سرگرمیوں اور زیر زمین سرگرمیوں کو خط ملط کر دیا اور وہ اپنے وسائل و مسائل اور صلاحیتوں کے دائرے میں ان دونوں کا میدان، مقام و محل ٹھیک ٹھیک متعین کرنے میں ناکام رہی۔ اس نے سیاسی اور تحرکی داؤ پیچ کے استعمال کی اہمیت سے بھی ناواقفیت کا ثبوت دیا۔ اچھے، قابل اعتماد اور مخلص کارکن، غیر یقینیت کے شکار ہو گئے۔ اور طالع آزمائوں اور منافقوں نے اس کے خلاف اپنی پورشوں میں اضافہ کر دیا۔ تنظیم کے داخلی بحران اور خارجی سازشوں کا بہت جلد یہ نتیجہ نکلا کہ اب اس کا ڈھانچہ ختم ہو جاتا یا اس کی باگ ڈور مکمل طور پر اسلام اور حق خود ارادیت کے دشمنوں یا طالع آزمائوں کے ہاتھوں میں چلی جاتی اور دشمنان دین و ملت اسے آسانی کے ساتھ اپنے ناپاک مقاصد کے لئے استعمال میں لاتے۔ اس صورت حال میں تنظیم کے مخلص، ہوشمند اور سرکردہ اصحاب نے بڑی پھرتی سے جولائی ۱۹۷۸ء میں مجھے پیپلز لیگ کا چیئرمین منتخب کر لیا۔ حقیقت میں یہ تجویز پہلی بار ۱۹۷۳ء میں ہی میرے سامنے رکھی گئی تھی۔ ۱۹۷۵ء کے ہنگامی حالات کے اعلان اور میرے زمانہ نظر بندی میں ان کا

اصرار بڑھ گیا تھا۔ لیکن میں ۱۹۷۸ء تک تنظیم کی سربراہی سنبھالنے سے برابر انکار کرتا رہا آخر جب میں نے پیپلز لیگ کی دعوت قبول کر کے اس کی صدارت سنبھالی تو مجھ پر اس کے اور کئی پہلو اور گوشے آشکارا ہو گئے۔ جن کا مجھے پہلے سے پورا علم نہ تھا اور اسلام اور حق خود ارادیت کے دشمنوں کی تازہ یورشوں سے اندازہ ہونے لگا کہ ان کو نئی تبدیلیوں نے کس طرح سٹپایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تنظیم کے پھیلاؤ اور اس کی نئی صف بندی کے کام میں زیر زمین حربوں سے رکاوٹیں پیدا کیں۔ میں نے اپنا کام جاری رکھا اور مسلسل محنت کر کے تنظیم کو طویل دستوری غلاء سے نکالا اور ۳۰ دسمبر ۱۹۷۹ء کو لیگ کے ایک غیر معمولی اور نمائندہ اجلاس میں اس کا آئین منظور کرایا۔ جو اس کی انقلابی اور نظریاتی دعوت کا آئینہ دار ہے۔ بعد ازاں انتھک جدوجہد اور عملی پروگرام کے ذریعے کارکنوں اور متاثرین میں پیپلز لیگ کی تحریک کے نظریاتی اور انقلابی پہلوؤں اور گوشوں کی اہمیت و افادیت کا شعور جگانے کی بھرپور کوشش جاری رکھی۔ جس کو منافقوں نے عیاری کے ساتھ سبوتاژ کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ لیکن ان کی سازشیں طشت از بام کر دی گئیں۔ اور تنظیم عزم و حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔

میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا ہے کہ تنظیم کا قیام ہمارا اصل مقصد نہ تھا۔ اصل مقصد زندگانی کے وہ نقوش اور خدوخال تھے جو اسلام نے ہمارے سامنے لائے ہیں۔ اور اگر کوئی نظام جماعت ہمارے مقصد حیات قوی مقاصد یعنی آزادی اور سرداری کی جدوجہد کے لئے تنگ و تاریک بنا دیا جاتا ہے۔ تو ضروری نہیں کہ ہم بھی اپنے آپ کو قیدی بنائیں۔ ہمیں اپنی جدوجہد کے دریا میں تلاطم برپا کر کے پیش قدمی کی خاطر نئی راہوں کو دریافت کر لینا چاہئے۔ اور چٹانوں، درختوں اور بندھنوں کو اپنے ساتھ بہا لینا چاہیے

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد  
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد  
بہر حال پیپلز لیگ نے کمال ہمت، جرات اور سرفروشی کے ساتھ نہایت ہی  
نامساعد حالات میں حق خود ارادیت کے حصول کی مشعل روشن رکھی ہے۔

## معاہدہ دہلی کی توثیق

۱۹۷۵ء ایک افسوسناک سال ثابت ہو گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ بائیس برس کے لمبے عرصے کے بعد شیخ محمد عبداللہ کی طرف اقتدار منتقل کر دیا گیا۔ لیکن معاہدہ دہلی کا متن منظر عام پر آنے کے بعد اس کرسی میں وقار، جلال اور تمکنت کسی کو محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ خود شیخ عبداللہ اس سے پہلے اور اس کے بعد سخت ذہنی الجھن میں گرفتار تھے۔ کیونکہ وہ آپ اپنے ہاتھ سے ایک ادنیٰ سی شے کے عوض ایک بیش قیمت منافع کو چھوڑ رہے تھے۔ جس کے حصوں کی کوششوں میں انہوں نے اور دوسرے لوگوں نے ایک لمبے عرصے سے زندگی کے بہترین لمحات جیل خانوں میں بسر کئے تھے اور نوجوانوں نے اپنے گرم گرم خون کا نذرانہ دے کر اپنے مقدس اور آبرو مندانہ نصب العین کی کھیتی میں ہریالی لائی تھی۔ ان کے بیانات کا حرف حرف تضادات اور ذہنی کشمکش کی غمازی کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے ان کے کئی ساتھی مذاکرات کی مزید گردشوں کو لاحق حاصل سمجھ رہے تھے۔ وہ بے قرار تھے اور ان کی آخری خواہش اب یہی تھی کہ اب جو کچھ ملے۔ اسے قبول کیا ہی جانا چاہئے اگرچہ وہ کتنا ہی بے قدر اور قلیل کیوں نہ ہو۔ کیونکہ گزشتہ کئی برسوں کے انداز سیاست نے ان کی نظر تنگ اور محدود بنائی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ کے لئے اپنوں کے مزاج کی یہ افسوسناک کیفیت ذہنی عذاب کا باعث بن گئی تھی۔ اسی لئے ان کے بیانات صبح و شام بدلتے رہتے تھے۔ اور ان کی تنگ و تاز کا ماسوائے حصول اقتدار کوئی محور دکھائی نہ دیتا تھا۔ جنوری ۷۵ء کے پہلے ہفتہ میں وہ نئی دہلی چلے گئے اور جوں میں انہوں نے کہا:

”مسئلہ کشمیر کا حل آئین کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت نکالا جانا چاہئے۔ میں اس وقت کچھ لینا چاہتا ہوں، اور شریعتی اندرا گاندھی کا کام ہے اب کچھ دینا۔ مسئلہ کشمیر کو حتمی طور پر حل کرنے کے لئے پہل کرنا اب ہندوستان کی وزیراعظم کا کام ہے۔ مرزا محمد افضل بیگ اور مسٹر پارٹھا سار تھی کے درمیان آئینی معاملات پر جو طویل مذاکرات ہوئے۔ ان کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے شریعتی اندرا گاندھی ایک

اہم رول ادا کر سکتی ہیں۔ اپنی مصروفیات کی وجہ سے وہ بیگ پار تھا سار تھی مذاکرات کے نتائج کو آخری شکل نہیں دے سکی ہیں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اس بات کے لئے وہ موزوں وقت خود مقرر کریں گی۔ میں ہند کے ساتھ الحاق کی تسخیر کے حق میں نہیں ہوں۔“

لیکن روزنامہ ”آفتاب“ مورخہ ۱۰ جنوری نے لکھا کہ شیخ صاحب اپنے اس موقف پر بڑی سختی کے ساتھ قائم ہیں کہ کشمیر اسمبلی کو توڑ کر ایک نئی اسمبلی کے لئے انتخابات کرائے جائیں۔ اس سلسلے میں وہ اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں۔ کچھ عرصہ بعد ماہ فروری میں کالی کٹ میں شیخ عبداللہ نے اپنا یہ وعدہ پھر دہرایا کہ میں مرکز کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کو عوام کے سامنے رکھوں گا اگر انہوں نے اس کی توثیق کی تو میں آگے بڑھوں گا۔ اگر انہوں نے اسے مسترد کیا تو اقتدار سے الگ ہو جاؤں گا۔

آپ نے کہا کہ کشمیر کے نئے آئینی ڈھانچہ میں میری حیثیت وزیر اعلیٰ کے عہدہ سے اونچی ہوگی۔“

۱۹ فروری کو ٹیوینٹیم پریس کلب میں اخبار نویسوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے بتایا کہ نئی کشمیر اسمبلی ہی ریاست اور مرکز کے درمیان تعلقات کے بارے میں آئین کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت کی گئی تبدیلیوں کا جائزہ لے گی۔ اور اگر نئی کشمیر اسمبلی نے ان میں سے بعض کو ٹھیک قرار دیا۔ تو وہ ان کی توثیق کرے گی۔ اگر اس نے یہ محسوس کیا کہ ان میں سے بعض تبدیلیاں ریاستی عوام کے مفاد میں نہیں ہیں۔ تو انہیں مسترد کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم ۱۹۵۳ء کی اس پوزیشن پر قائم رہیں گے جس کے مطابق ہم نے مرکز کو دفاع امور خارجہ اور مواصلات دیئے تھے۔

ایک اور اخباری ملاقات میں شیخ محمد عبداللہ نے پھر کہا:

”نئی دہلی میں حکومت ہند کے ساتھ کشمیر پر بات چیت کے جو بھی نتائج نکلیں گے میں انہیں عوام کے سامنے رکھوں گا۔ نتائج قبول کرنے یا مسترد کرنے کے مجاز صرف عوام ہیں“

اس کے فوراً بعد یہ خبر آئی کہ شیخ محمد عبداللہ فروری کے تیسرے ہفتے میں حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال رہے ہیں۔ اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے ریاست کے وزیر اعلیٰ مسٹر میر قاسم نے کانگریسی کارکنوں سے کہا۔

”اب ہم سب کو چاہئے کہ شیخ صاحب کے ہاتھ مضبوط کریں۔ اور اس نئے تجربے کو کامیابی سے ہم کنار کریں۔ جو کشمیر کے خوشحال مستقبل کی ضمانت بن سکتا ہے۔ ہم پچھلے چودہ برس سے یہ کوشش کرتے آئے ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ سے مفاہمت ہو جائے، اور وہ اسی طرح ہماری قومی تحریک کی رہنمائی کریں جس طرح وہ ۱۹۵۳ء تک کرتے رہے۔“

۲۶ جنوری ۱۹۷۵ء کو روزنامہ ”آفتاب“ نے شیخ محمد عبداللہ کی ”کامیابی“ پر مندرجہ ذیل شہ سرخیاں جمائیں۔

”شیخ صاحب کے بیشتر مطالبات تسلیم کر لئے گئے۔ صدر ریاست اور وزیر اعظم کے عہدے بحال ہو رہے ہیں۔ کشمیر کو داخلی خود مختاری دی جا رہی ہے“ اور ۵۳ء کی پوزیشن بھی بحال ہوگی۔“

اس اعلان کے بعد محاذ رائے شماری کے کارکن تمام وادی میں متحرک ہو گئے۔

### وزیر اعظم بھٹو کی کال

معاہدہ دہلی کے متوقع اعلان پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اعظم پاکستان نے ۲۷ جنوری ۱۹۷۵ء کو سیمبل پور کے جلسہ عام میں کہا:

”شیخ محمد عبداللہ اب تک دو بار غلطی کر چکے ہیں۔ اگر انہوں نے تیسری غلطی کی تو یہ ان کی آخری غلطی ہوگی۔ اور ۲۹ جنوری کو وزیر اعظم بھٹو نے گجرات کے جلسہ عام میں اعلان کیا کہ پاکستان شیخ اندرا معاہدہ کے خلاف احتجاج کرے گا۔ انہوں نے ساری دنیا اور جموں و کشمیر کے دونوں طرف رہنے والے عوام اور پاکستان کے عوام سے اپیل کی کہ وہ اندرا عبداللہ معاہدہ کا اعلان ہو جانے کے بعد آنے والے پہلے جمعہ کو ایک دن کا احتجاجی ہڑتال کریں۔ پاکستان اپنے اس موقف سے دست بردار

نہیں ہوگا کہ مسئلہ کشمیر حق خودارادیت کی بنیاد پر اقوام متحدہ کی پاس شدہ قراردادوں کے مطابق حل ہونا چاہئے۔ اندرا، عبداللہ معاہدہ سے بین الاقوامی عہدو پیمان اور فیصلے متاثر نہیں ہوں گے انہوں نے کہا کہ یہ ایک گٹھ جوڑ ہے۔ شیخ عبداللہ نے اب تک دو بار غلطیاں کی ہیں، یہ ان کی تیسری، آخری اور سب سے بڑی غلطی ہے۔ شیخ عبداللہ قدرتی راستہ کھولنے کی باتیں کر رہے ہیں، اور خود غیر قدرتی راستے پر جا رہے ہیں۔ وہ قدرتی راستہ پر آجائیں تو قدرتی راستہ بھی کھل سکتا ہے۔ وزیراعظم بھٹو نے کہا کہ ہڑتال کرانے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو یہ تاثر دیا جائے کہ یہ معاہدہ ہمیں منظور نہیں ہے۔

وزیراعظم پاکستان کے خطاب عام کا ٹیپ ریکارڈ ریڈیو پاکستان سے بجایا گیا، اور اسے سارے کشمیر میں بے غور سنا گیا۔

### مختلف پارٹیوں کے تاثرات

شیخ محمد عبداللہ نے وزیراعظم پاکستان کے اعلان عام کو افسوسناک قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بیان فضا کو زہر آلود بنانے کی ایک کوشش ہے اور اس سے نئی تلخیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ میر واعظ مولوی محمد فاروق نے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے حق خودارادیت اور سہ فریقی نظریے کو پھر دہرایا انہوں نے اپنی پارٹی کی مجلس عاملہ کو بتایا کہ حکومت ہند اور شیخ عبداللہ کے درمیان ہوئے کسی بھی یکطرفہ، پس پردہ اور غیر جمہوری معاہدہ کے خلاف احتجاج کیا جائے گا۔ ۱۴ فروری کو جامع مسجد کے عوامی اجتماع میں انہوں نے پھر کہا کہ لوگ حالات بدلتے، کسی جماعت یا لیڈر کے موقف تبدیل کرنے یا رائے شماری کے نصب العین سے دستبردار ہونے سے ہرگز مایوس نہ ہوں۔ نہ کسی متوقع سیاسی تبدیلی سے مرعوب یا مشتعل ہوں۔ ہم کسی صاحب کا وزارت کی کرسی پر بیٹھنے کے ذاتی طور پر دشمن نہیں ہیں۔ تاہم وزارتی تبدیلیاں مسئلہ کشمیر کا کوئی حل نہیں ہیں۔“

جموں و کشمیر پیپلز لیگ نے بھی اندرا، عبداللہ معاہدہ کے خلاف ایک

زور دار احتجاجی ہڑتال کرنے کی اپیل کی۔ جماعت اسلامی جموں و کشمیر نے اعلان کیا کہ ”اگر ہند نے اس مسئلہ کو سلامتی کونسل کی قراردادوں اور شملہ سمجھوتہ کے تحت متنازعہ مان لیا ہے۔ تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی فرد واحد کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اسے دفنانے کی کوشش کرے، اس مسئلہ کو ہند، پاکستان اور کشمیری عوام کے باہمی مشورے سے ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ کشمیری عوام سے پوچھئے بغیر ان کے بنیادی مسئلہ کو ختم کرنے کا سلسلہ سری نگر اور دہلی کے درمیان اب اپنے آخری انجام کو پہنچنے والا ہے۔ اس سے نہ کشمیری عوام مطمئن ہو سکتے، اور نہ ہند پاک تعلقات معمول پر آئیں گے۔“

### تصفیے کی توثیق

۶ فروری کو سری نگر میں اخبار نویسوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے مرزا محمد افضل بیگ نے کہا کہ شیخ صاحب اور حکومت ہند کے درمیان مذاکرات نتیجہ خیز ثابت ہو گئے ہیں، اور ریاست اور مرکز کے درمیان دیرپا تعلقات قائم کرنے کے لئے ایک اچھی بنیاد فراہم ہو گئی ہے۔ نئی دہلی اور شیخ صاحب کے درمیان جو سمجھوتہ ہوا ہے، اسے عوام کے سامنے پیش کرنے کے لئے شیخ صاحب آئندہ ہفتے یہاں آ رہے ہیں۔“

۱۱ فروری کو مجاہد منزل میں ضلع سری نگر کے محاذی درکروں کے سامنے معاہدہ دہلی پر روشنی ڈالتے ہوئے مرزا محمد افضل بیگ نے کہا:

”شیخ صاحب اپنے اس وعدے پر قائم ہیں کہ مذاکرات کے نتائج سے عوام کو آگاہ کیا جائے گا۔ موزوں وقت پر اس معاہدہ کے تمام امور لوگوں کی تصدیق کے لئے پیش کئے جائیں گے۔ آج سے تین سال پہلے میں نے ایک بیان میں دہلی میں کہا تھا کہ برصغیر کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر حقیقت پسند رویہ اختیار کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ حکومت ہند کے ساتھ طویل مذاکرات کے بعد آخر کار ایک ایسا مرحلہ آئی گیا۔ جب ہمیں محسوس ہوا کہ ان مذاکرات سے ایک ایسی بنیاد پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارے درکروں کو مفاد خصوصی عناصر کے پروپیگنڈا کا کوئی اثر نہیں لینا چاہئے۔“

آخر ۱۵ فروری ۱۹۷۵ء کو مجاہد منزل میں محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ نے معاہدہ دہلی کی توثیق کر دی۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی  
یہ کس کافر ادا کا غمہ خوں ریزھے ساقی

## نوجوان بلہ کی شہادت

اب معاہدہ دہلی کا رسمی اعلان ہونے والا تھا، اس سلسلے میں متوقع عوامی مخالفت کے تند و تیز ریلے سے بچنے کے لئے حکومت نے نوجوانوں اور طالب علموں کی گرفتاریاں شروع کیں، اور جموں و کشمیر پیپلز لیگ کے سرکردہ کارکنوں کو داخلی سلامتی ایکٹ کے تحت حراست میں لیا گیا اسی اثناء میں خبر ملی کہ سنٹرل جیل سری نگر میں سوپور کے ایک نوجوان غلام محمد بلہ کی پراسرار حالات میں موت واقع ہو گئی ہے۔ جنمیں پولیس نے سوپور میں ایک مظاہرے کے دوران گرفتار کر لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ غلام محمد بلہ گیارہ فروری کو سوپور چوک میں ایک بینر لگاتے ہوئے گرفتار کر لئے گئے، اور انہیں زبردست ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا تھا، نیز پولیس نے ان کے ساتھ حوالات میں ناشائیاں سلوک کیا تھا۔ ایک قیدی کا چشم دید بیان ہے کہ پولیس کی وحشیانہ مار پیٹ کی وجہ سے ان کے گھٹنے بیٹھ چکے تھے، اور وہ سنٹرل جیل کی سب سے بڑھی ڈیوڑھی کے اندر داخل کئے جانے کے وقت شدید اذیت میں مبتلا تھے۔ اور کھڑے ہو کر چلنا ان کے لئے دو بھر تھا۔ اس المناک خبر سے سارے ضلع میں تشویش اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ سوپور کے ایم، ایل اے سید علی گیلانی نے ایک بیان میں کہا کہ مرحوم غلام محمد بلہ کی نعش کا نہایت ہی مشتبہ حالت میں پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے اور ان کی میت رات کے اندھیرے میں سری نگر سنٹرل جیل سے سوپور لا کر چپکے سے دفنائی گئی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ مرحوم کو میری اطلاعات کے مطابق حراست میں لینے کے بعد بری طرح مارا پیٹا گیا تھا، انہوں نے ان سارے واقعات کی غیر جانب دار عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ جموں و کشمیر پیپلز لیگ نے قیدیوں کے حقوق کا تحفظ کرنے والے بین الاقوامی ادارے کے ذریعے تحقیقات کی مانگ کی۔ عوامی ایکشن کمیٹی نے مرحوم بلہ کی موت کو ایک پراسرار قتل قرار دیا اور سٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن نے بھی اس درد ناک واقعہ کے خلاف اپنے جذبات غم و غصہ ظاہر کئے سوپور کے عوامی حلقوں

نے مقامی ڈی ایس پی مسٹر بانڈے کو اس بہادر نوجوان کا قاتل قرار دیا۔ افسوس ہے کہ کشمیر کے ڈویژنل کمشنر نے اس سانحہ سے پیدا ہونے والے عوامی غیض و غضب کو سطحی اہمیت دے کر سب ڈویژنل میجسٹریٹ بارہ مولہ کو تحقیقات کرنے اور پندرہ روز تک اپنی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا۔ لیکن سنٹرل جیل سری نگر کے کسی ایسے نظر بند کو چشم دید شہادت دینے کا موقع نہ دیا گیا، جو اس سانحہ کا عینی گواہ تھا۔ چند ماہ گزرنے کے بعد ۲۱ مئی کو مرزا محمد افضل بیگ سوپور کے دورے پر آئے اب وہ ایک ایسی حکومت کے نائب وزیر اعلیٰ تھے جس کی بنیاد فروری ۱۹۷۵ء میں نوجوان غلام محمد بلہ کی نعش پر رکھی جا چکی تھی۔

ابتداء میں مرزا محمد افضل بیگ نے یقین دلایا تھا کہ وہ اس پراسرار موت کی تحقیقات کرائیں گے۔ چنانچہ سوپور پہنچ کر لوگوں نے ان سے یہی سوال کرنا چاہا، اور یہی مطالبہ کیا کہ آپ کے وعدے اور اعلان کے باوجود نوجوان بلہ کے قتل میں ملوث ڈی، ایس، پی ابھی تک سوپور میں کیوں ہے؟ اور تحقیقات کا عمل کیوں شروع نہیں ہوتا؟ اس طرح سوپور میں ایک زبردست پروٹسٹ جلوس نکلا۔ پولیس نے جلوس پر لاٹھی چارج کیا اور گرفتاریاں عمل میں لائیں۔ اس کے بعد سوپور اور بانڈی پور میں بھی پروٹسٹ ہوا۔ جناب غلام قادر وانی بھی گرفتار کر لئے گئے اور ان کے ساتھ گرفتاری سے پہلے اور گرفتاری کے بعد نہایت ہی وحشیانہ اور انسانیت سوز برتاؤ کیا گیا۔ موصوف اور سوپور کے دوسرے معزز شہری، خواجہ عنایت اللہ حاجی، ہلال فارمیسی خواجہ غلام حسن صوفی، خواجہ عبدالرحیم لنگو، خواجہ عبدالرزاق زکی، اور محمد شفیع داؤد وغیرہ چوری کے ایک بنادٹی اور جھوٹے مقدمے میں پھنسائے گئے۔ یوں نئی حکومت نے اپنا سب سے پہلا کام یہ انجام دیا کہ ایک ایسی ایجنسی ٹینشن کو نوجوانوں اور طالب علموں کی مار دھاڑ، گرفتاریوں اور جھوٹے مقدمات کے ذریعے کچل ڈالا جو بہادر بلہ کے گرم گرم خون حریت کا قصاص لینے کے لئے شروع کی گئی تھی اس سانحہ کی برائے نام تحقیقات کا جو اعلان کیا گیا تھا، اس کی رپورٹ آج تک نامکمل رکھی گئی اور اس قتل میں ملوث افراد کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کرائی گئی۔

## پارلیمنٹ میں اعلان

ہندوستان کے صدر مسٹر نخر الدین علی احمد نے ۱۷ فروری ۱۹۷۵ء کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مرکزی حکومت اور جموں و کشمیر کے نمائندوں کے درمیان تفصیلی گفت و شنید کے مثبت نتائج نکلے ہیں۔ اور مرکزی حکومت جلد ہی اس کے بارے میں ایک بیان جاری کرے گی۔ جموں میں ۲۲ فروری کو وزیر اعلیٰ سید میر قاسم نے کانگریس کی لیجلیچر پارٹی میں اپنے وعدے کا استعفیٰ پیش کیا جو منظور کر لیا گیا۔

اس کے بعد ۲۴ فروری کو وزیر اعظم ہندوستان مسز اندرا گاندھی نے پارلیمنٹ میں معاہدہ دہلی کا باقاعدہ اعلان کر دیا، مسز گاندھی نے بتایا کہ یونین اور ریاست جموں و کشمیر کے آئینی تعلقات بدستور دفعہ ۳۷۰ کے تحت قائم رہیں گے۔ اور دونوں کے درمیان موجودہ تعلقات میں کوئی کمزوری نہیں آئے گی۔ جب لوک سبھا میں جن سنگھ کے مسٹر اٹل بہاری باجپائی اور راجیہ سبھا میں مسٹر پرکاش ویر شاستری نے مسز گاندھی سے کچھ وضاحتیں طلب کیں تو وزیر اعظم نے جواب دیا۔

”دفعہ ۳۷۰ آئین کا ایک مستقل جز بن گئی ہے“

وزیر اعظم نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ

”اب چونکہ رائے شماری کا تصور ایک غیر متعلقہ چیز بن گئی ہے اس لئے محاذ رائے شماری کا نام اور اس کے اغراض و مقاصد تبدیل کئے جائیں“

وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے بیان کے بعد جن سنگھ کے ممبروں نے وزیر اعظم سے مرزا افضل بیگ کے اس بیان کی وضاحت مانگی جس میں مؤخر الذکر نے کہا تھا کہ اب دفعہ ۳۷۰ ایک مستقل جز ہے۔ ان ممبروں نے یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ پہلے سے یہ تصور تھا کہ ۳۷۰ آئین کی ایک عارضی خصوصیت ہے، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دفعہ ختم کر دی جائے گی۔ ماضی میں اسی تاثر کی تصدیق جواہر لال نہرو نے ایوان میں اپنے بیانات کے ذریعے کی تھی، ان ممبروں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مسز گاندھی نے الگ الگ دونوں ایوانوں میں کہا کہ جموں و کشمیر وہ واحد ریاست ہے جس نے اپنا آئین بنانے کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا تھا۔

یہ اختیار اسی اسمبلی کو دیا گیا تھا کہ وہ اس امر کا فیصلہ کرے کہ کیا ۳۷۰ کو قائم رہنا چاہئے یا اس میں ترمیم کی جانی چاہئے یا اسے ختم ہی کر دینا چاہئے۔ وزیراعظم نے کہا کہ اس وجہ سے دفعہ ۳۷۰ کو عارضی قرار دیا گیا تھا۔ لیکن ریاست کی آئین ساز اسمبلی نے اس دفعہ میں کوئی ترمیم تجویز کئے بغیر ہی ۱۹۵۶ء میں اپنا کام مکمل کر دیا۔ اس طرح ۱۹۵۶ء سے یہ دفعہ آئین کا ایک مستقل حصہ بن گئی ہے۔

وزیراعظم نے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں کشمیر کے سوال پر مرکز اور شیخ عبداللہ مذاکرات کا پس منظر بیان کیا۔ مسز گاندھی نے مسٹر پارٹھا سارثی اور مرزا محمد افضل بیگ کے درمیان مذاکرات کے متعلق نتائج کی کاپیاں، ان کی خط و کتابت کی نقول اور مسز گاندھی اور شیخ عبداللہ کی طرف سے معاہدے کی تصدیق کرنے والی آخری خط و کتابت کی نقول بھی ایوان کی میز پر رکھیں۔

معاہدہ دہلی میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر ریاستی حکومت ۵۳ء کے بعد نافذ شدہ متفقہ فہرست میں شامل بعض قوانین مثلاً سوشل ویلفیئر اقدامات، کلچرل معاملات، سوشل سیکورٹی پر سبجول قوانین اور ان سے ملتے جلتے دوسرے قوانین کو تبدیل کرنا چاہئے۔ تو مرکز اس خواہش پر ہمدردانہ غور کرے گا۔ الیکشن کمیشن کے کنٹرول اور ریاستی گورنر کے اختیارات جیسے معاملات میں اس معاہدے میں اقرار کیا گیا ہے کہ ریاستی آئین میں لائی گئی کوئی تبدیلی، اسی صورت میں نافذ العمل ہو گی، جب ایسے مسودہ قانون پر صدر ہند کے دستخط ثبت ہوں گے۔

وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے اس بات کا انکشاف بھی کیا کہ مرکزی حکومت نے مرزا محمد افضل بیگ کی یہ تجویزیں مسترد کر دی ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر پر سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار گھٹایا جائے۔ بنیادی حقوق سے متعلق دفعات کو ریاستی آئین کی طرف منتقل کیا جائے۔ ریاستی قانون سازی کے انتخابات پر مرکزی الیکشن کمیشن کی نگرانی اور کنٹرول اٹھایا جائے اور دفعہ ۳۵۶ میں ترمیم کر کے ریاست پر صدر راج نافذ کرنے سے پہلے ریاستی حکومت کی منظوری حاصل کرنا ضروری قرار دیا جائے۔

وزیراعظم نے کہا کہ ریاست میں ”وزیراعظم“ کا لقب اختیار کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے اگر ریاستی قانون سازی اپنے دستور میں اس نوعیت کی ترمیم پاس کرے۔ تاہم راجیہ سبھا میں اس استثناء کی صراحت پیش کرتے ہوئے مسز اندرا گاندھی نے کہا کہ ”وزیراعظم“ کا لقب صرف ریاست جموں و کشمیر کی حدود میں

استعمال کرنے کی اجازت ہو گی۔ اور مرکز کشمیر کے وزیراعلیٰ سمیت سب ہی بڑے وزرائے ریاست کو وزیراعلیٰ کے نام سے پکارتا رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ کم از کم ایک اور ریاست تامل ناڈو کو یہ رعایت حاصل ہے کہ وہ بڑے وزیر کے لئے اپنا ایک نام استعمال کر سکتی ہے۔

معاہدہ میں یہ قول و قرار بھی موجود ہے کہ مرکز کے پاس ریاست میں قوم دشمن اور علیحدگی پسند عناصر کی سرگرمیوں کی روک تھام کرنے کے لئے اختیارات بدستور موجود رہیں گے۔

بہر حال اندرا عبداللہ معاہدہ کے ذریعے نئی دہلی کے اس موقف کہ مملکت ہند، جموں و کشمیر کے بارے میں اپنے اختیارات سے انحراف نہیں کرے گی اور شیخ محمد عبداللہ کے اس اصرار کے درمیان کہ اسے اپنے پیروکاروں کے سامنے کوئی حاصل پیش کرنے کے لائق رکھا جائے ایک راستہ دریافت کرنا ہی تھا۔ یہ معاہدہ اسی بات کی تکمیل کی غرض پوری کر رہا ہے۔ لیکن واضح کیا گیا کہ ریاست اگست ۱۹۵۳ء کی اس پوزیشن پر واپس نہیں جاسکے گی۔ جس پوزیشن میں شیخ محمد عبداللہ کو وزارت عظمیٰ سے معزول کر دیا گیا تھا۔ لیکن ریاستی قانون سازی کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ ایسے قوانین پر نظر ثانی کرے، جن کے بارے میں قانون سازی کے اختیارات مرکز اور ریاست دونوں کو حاصل ہیں۔ گورنر کے اختیارات و مراعات، الیکشن کمیشن کا حد اختیار اور الیکشن رولز کی ضابطہ بندی کے بارے میں ریاستی آئین میں کوئی ترمیم اس وقت تک موثر اور نافذ العمل نہیں ہو سکے گی، جب تک نہ صدر کی منظوری حاصل کی جائے۔ اس کو (شیخ عبداللہ) تسلیم کرایا گیا کہ ایسا ریاست کے مفاد میں نہیں ہو گا۔۔۔ اسی طرح وہ ریاست کی طرف سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار کی توسیع کے بھی زبردست مخالف تھے۔ اور ان میں انقلابی ترمیمات چاہتے تھے۔ یہ ناممکن دکھائی دیا۔ تاہم شیخ محمد عبداللہ سپریم کورٹ کی مرافعت سے متعلق حدود Appellate Jurisdiction ان مقدمات تک محدود کرنے میں کامیاب ہو گئے جن میں ہائی کورٹ کی طرف سے خصوصی اجازت Special Leave دی جاتی ہے۔ ریاست کے اندر آئینی مشینری کے ناکام ہونے کی صورت میں ریاست پر مرکزی حکمرانی کا نفاذ عمل میں لانے کے لئے آئین میں جو ایمر جنسی دفعات خاص کر دفعہ ۳۵۶ شامل ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں لائی گئی ہے۔ شیخ محمد عبداللہ چاہتے



تھے۔ کہ اس سوال کو ایک ناگمانی ضرورت تصور کرتے ہوئے ریاستی حکومت کی پیشگی منظوری پر منحصر رکھا جائے۔ مرکز نے یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ شیخ محمد عبداللہ اس بات پر بھی اصرار کرتے رہے کہ جموں و کشمیر میں مملکت کے سربراہ اور انتظامیہ کے سربراہ کے لئے قبل ۵۳ء کی اصطلاحات Nomen clature بحال کر دی جائیں۔ اپنی پوزیشن کے جواز کی جدوجہد میں اسے ان اصطلاحات میں علامتی قیمت Symbolic Value نظر آ رہی تھی۔ لیکن یہ مانگ بھی تسلیم نہیں کی گئی اس طرح ریاست کے سربراہ کا پرانام نام بھی بحال نہیں ہوگا۔ اسے صدر ریاست کے نام سے نہیں بلکہ بدستور گورنر کے نام سے پکارا جاتا رہے گا۔ اسی طرح انتظامیہ کے سربراہ کے موجودہ نام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اسے چیف منسٹر (وزیر اعلیٰ) کے نام سے پکارا جاتا رہے گا۔ ہاں البتہ ریاستی اسمبلی یہ فیصلہ کرنے میں آزاد ہوگی کہ وہ جموں و کشمیر کے داخلی استعمال کے لئے چیف منسٹر یا وزیر اعلیٰ کا اردو ہم معنی لفظ۔۔۔ وزیر اعظم۔۔۔ چن لے۔۔۔

وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی طرف سے مرکز شیخ معاہدے کا اعلان ہونے کے بعد چند منٹ کے اندر اندر شیخ عبداللہ نے نئی دہلی سے ایک بیان جاری کیا، جس میں آپ نے کہا کہ ”قانونی اور آئینی انتظامات بنیادی افہام و تفہیم کے اظہار کا ایک ذریعہ ہیں۔ گاندھی جی، مولانا آزاد، پنڈت نہرو، اور خان عبدالغفار خان کے ساتھ اپنی رفاقت یاد دلاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو جمہوریت، سیکولرازم، اور مساوات و سماجی انصاف پر مبنی سوسائٹی کے ساتھ عقیدت نے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ لیا۔ یہ ان ہی مشترکہ اصولوں پر ایمان کا نتیجہ تھا کہ جس نے ہمیں ہندوین کے ساتھ شامل ہونے میں رہبری کی۔ اور ان کے ایک خادم کی حیثیت سے میں نے الحاق کی تصدیق کی۔ بعد میں بھارتی دستور ساز اسمبلی کے ایک رکن کی حیثیت سے میں نے ہندوستانی آئین کے بنانے میں اپنی خدمات ادا کیں، اور میں بھی اس آئین پر دستخط کرنے والوں میں شامل تھا، ۵۳ء میں اپنی گرفتاری، معزولی اور نظر بندی کے لمبے سلسلہ کا تذکرہ کرنے کے بعد شیخ عبداللہ نے مرکز کے ساتھ اپنے مذاکرات کے آغاز کا سراغ دکھاتے ہوئے کہا کہ ابتدا ”جواہر لعل نہرو تھے جنہوں نے مکالمہ شروع کرانے میں پہل کی تھی۔ بد قسمتی سے ان کی موت نے اس میں رکاوٹ ڈالی، لیکن پھر دوبارہ اس مکالمے کو جاری کرنے پر سوچ بچار کرنے اور مجھے ایک بار پھر بلکہ زیادہ بھرپور

طریقے پر ملک اور ریاست کی سیاسی زندگی میں شامل کرنے کا سرا پنڈت نہرو کی صاحبزادی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے سر پہے میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ میں اپنی خدمات وقف کرنے پر تیار ہوں۔ میں نے ان پر واضح کیا کہ جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے میں اسی وقت موثر بن سکتا ہوں، جب ۱۹۵۳ء کی وہ صورت حال بحال کر دی جائے جب میں اپنے عہدے پر فائز تھا۔

انہوں نے کہا کہ میرے رفیق کی حیثیت سے اور محاذ رائے شماری کے صدر کی حیثیت سے بیگ صاحب نے پہلے ہی کہا ہے کہ وزیر اعظم اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مذاکرات کے اختتام پر جو خوش گوار تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ان کی بدولت وہ بدلا ہوا منظر سامنے آتا ہے جس میں پارٹی کا نصب العین حاصل کرنے کے لئے رائے شماری کا راستہ بے محل اور غیر متعلقہ بن گیا ہے۔ انہوں نے (بیگ صاحب) یہ بھی کہا ہے کہ اب مناسب عمل کا آغاز کیا جائے گا۔ میں اپنی طرف سے پارٹی امتیازات سے بالاتر رہ کر ریاست کی سیکولر اور جمہوری قوتوں کی تنظیم نو کرنے کی کوششوں میں ہاتھ بٹاؤں گا۔“

معاہدہ دہلی پر صادر کرتے وقت شیخ عبداللہ اپنا سب کچھ بھول گئے۔ تاریخ کے محافظ خانے میں درج اپنے تمام بیانات۔ انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ ۹ اگست ۱۹۷۰ء کو پتھر مسجد سری نگر کے ایک بھاری عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا:

”۹ اگست کے واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملا ہے کہ بڑی طاقت اور چھوٹی طاقت، طاقت ور انسان اور کمزور انسان کے درمیان جو عہد و پیمان یا معاہدہ طے پاتا ہے وہ قائم نہیں رہتا۔ ہم نے ہند کے ساتھ جو معاہدے طے کئے تھے، اندازے کی غلطی کی وجہ سے کئے تھے۔ ۹ اگست کے واقعہ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ دو غیر متوازن جماعتوں میں جن میں ایک طاقت ور دوسری کمزور ہو کوئی معاہدہ قائم نہیں رہ سکتا۔ شری نہرو نے بار بار یہ وعدہ دہرایا کہ کشمیر میں حالات ٹھیک ہوتے ہی وہاں کے لوگوں کو اپنے مستقبل کا آپ فیصلہ کرنے کا موقعہ دیا جائے گا۔ شری نہرو نے یہ وعدہ کشمیر، ہندوستان، ہند کے ایوانوں اور بین الاقوامی اداروں میں دہرایا۔ یہ بات وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ طاقت اور دولت کے بل بوتے پر اپنے وعدے سے انحراف کریں گے“

شیخ عبد اللہ کانیا عمدہ

ہند پارلیمنٹ میں معاہدہ دہلی کا اعلان ہونے کے بعد ہی اسمبلی میں کانگریس کی پارلیمانی پارٹی نے وزیر اعلیٰ مسٹر میر قاسم کو بدل کر شیخ محمد عبداللہ کو اپنا قائد ایوان چن لیا۔ شیخ محمد عبداللہ کا نام خود قائد ایوان سید قاسم میر نے پیش کیا، اور مسٹر گرو دھاری لال ڈوگرہ نے تجویز کی تائید کی۔ وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر بیٹھنے کے لئے تمام رسمی کارروائیوں کو پورا کرنے کے لئے جب ۲۶ فروری کو شیخ محمد عبداللہ اور ان کی کابینہ کے ۳ اراکین کو جھوں کے راج بھون میں حلف برداری کی رسم انجام دینے کے لئے حاضر ہونا تھا تو خود شیخ عبداللہ آدھا گھنٹہ تاخیر سے محفل حلف میں پہنچ گئے۔ کیونکہ پارلیمنٹ میں وزیر اعظم کی طرف سے معاہدہ دہلی اور متعلقہ تفصیلات کا اعلان سننے کے بعد شیخ عبداللہ کے عقیدت مند بھی مایوس اور شرمسار ہو گئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ جواہر لال نہرو کے وقت سے لیکر آج تک مرکز اور شیخ صاحب کے درمیان جو مکالمہ جاری رہا، آخر اس کا حل شیخ صاحب کے لئے چیف منسٹری کے حصول کے بغیر اور کچھ نہیں نکلا۔ شیخ عبداللہ جانتے تھے کہ معاہدے کا متن کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو پڑھ کر محاذ والوں کا سرواںچا ہو جائے۔ لہذا ان کی خواہش تھی کہ معاہدے کا متن فی الفور منظر عام پر نہ لایا جائے۔ جب اس پیکٹ کا متن پارلیمنٹ کے ذریعے ساری دنیا کے سامنے آگیا تو شیخ عبداللہ مسرگاندھی سے برہم و بیزار ہو گئے، وہ روٹھ گئے اور اپنے ساتھیوں سے بھی بدلہ ہو گئے۔ کیونکہ پارلیمنٹ کا اعلان ان کے قد کو اور زیادہ اونچا کرنے کے بجائے پست بنا رہا تھا۔ اسی ذہنی کشمکش کے عالم میں انہوں نے حلف اٹھانے کے لئے راج بھون جانے سے انکار کر دیا۔ آخری بار کہتے ہیں کہ مرزا محمد افضل بیگ اور مسٹر میر قاسم نے انہیں منوا لیا۔ اور انہوں نے راج بھون جا کر حلف وفاداری اٹھایا لیا۔ اسی روز نئے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے شیخ محمد عبداللہ نے ایک اخباری کانفرنس میں اپنی بے زاری کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ کیا۔

”معاہدہ کی اشاعت اور اس کی کچھ تشریحات بے محل اور غلط ہیں۔ میں اس ضمن میں کوئی نامناسب بحث نہیں چھیڑنا چاہتا ہوں۔ میں سمجھوتے کے حقائق جلد عوام کے سامنے رکھوں گا۔ صدر ریاست اور وزیراعظم کے ناموں کے بارے میں جو

کچھ طے ہوا ہے وہ اس سے مختلف ہے جو پارلیمنٹ میں بتایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں حقائق جلد ہی منظر عام پر لائے جائیں گے۔“

(معلوم نہیں کہ وہ حقائق آج تک عوام کے سامنے کیوں نہ آئے)

شیخ عبداللہ نے وزیر اعلیٰ کا عمدہ تو ضرور سنبھال لیا، لیکن اس موقع پر ان کے حافظہ میں شاید ان ہی کی یہ باتیں موجود نہ تھیں۔ ان سے ایک انٹرویو میں پوچھا گیا تھا کہ ”کیا آپ دوبارہ کشمیر کا چیف منسٹر بننا پسند کریں گے۔۔۔؟“ انہوں نے جواب دیا تھا کہ ”نہیں! کیونکہ وہی شخص جس کو حکومت ہند کا اعتماد حاصل ہو، کشمیر کا چیف منسٹر بن سکتا ہے.....“ آپ نے مجھے چیف منسٹر کی پیشکش کی، کچھ مجھے وزارت عظمیٰ پیش کر چکے ہیں۔ لیکن سی ایم اور پی ایم بجائے خود کوئی مقصد نہیں مسائل عمدے قبول کرنے سے حل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ عمل کرنے سے۔“